سلسلۂ اسلام اور مستشرقین

فروری ۱۹۸۲ء میں اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر دارالمصنفین کے اہتمام میں جو بین الاقوامی سمینار ہوا تھا، اس کے سلسلہ میں اسی عنوان پر دارالمصنفین نے ایک اہم اور نیا سلسلۂ تالیفات شروع کیا ہے جس کی اب تک پانچ جلدیں مرتب ہو چکی ہیں۔

جلد ۱ اس میں جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب کے قلم سے اس سمینار کی بہت ہی مفصل اور دلچسپ روداد قلم بند ہوئی ہے۔

جلد ۲ اس میں وہ تمام مقالات جمع کر دیے گئے ہیں جو اس سمینار میں پڑھے گئے تھے اور جو معارف ۱۹۸۲ء سے لے کر ۱۹۸۳ء تک سلسلہ وار شایع بھی ہو چکے ہیں۔

جلد ۳ اس میں اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر سمینار کے علاوہ جو مقالات لکھے گئے ہیں، اور معارف میں شایع بھی ہو چکے ہیں، جمع کر دیے گئے ہیں۔

جلد ۴ تاریخ اسلام کے مختلف پہلوؤں پر مستشرقین کے اعتراضات کے جواب میں علامہ شبلی نعمانیؒ کے تمام مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔

جلد ۵ اسلامی علوم و فنون سے متعلق مستشرقین کی قابل قدر خدمات کے اعتراف کے بعد ان کے اسلام اور تاریخ اسلام کے مختلف پہلوؤں پر اعتراضات کے جواب میں مولانا سید سلیمان ندوی کے تمام مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔

"منیجر"

جلد ۱۴۷ ماہ ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ مطابق ماہ جون ۱۹۹۱ء - عدد ۶

مضامین

شذرات

آہ! مسٹر راجیو گاندھی!!

کانگریس آئی کے صدر اور سابق وزیر اعظم ہند مسٹر راجیو گاندھی کا وحشیانہ اور بے رحمانہ قتل ملک و قوم کا بڑا المناک سانحہ ہے، اس کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے، وہ مدراس کے انتخابی دورہ کے سلسلہ میں ۲۱ مئی کو دس بجے کے بعد رات میں سری پرمبو دور کے ایک انتخابی جلسہ میں خطاب کرنے جارہے تھے تو کسی درندہ صفت، شقی القلب اور لئیم نے ان کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کردیا، ان کی اس اذیت ناک موت نے ایک بار پھر ان کی والدہ مسز اندرا گاندھی اور قوم و ملک کے محسن گاندھی جی کی یاد تازہ کردی، اور ہر انسان دوست اور محب وطن شخص یہ سوچنے لگا کہ گوتم بدھ اور گاندھی کے اس دیس میں کب تک راون اور ناتھو رام گوڈسے ہنسا اور تشدد کی ریت قائم و دائم رکھیں گے۔

راجیو گاندھی ۴۴ء میں پیدا ہوئے تھے، دون اسکول میں ابتدائی و ثانوی تعلیم پانے کے بعد لندن گئے اور مکینکل انجینیرنگ کا کورس کیا، ہندوستان واپس آکر ہوائی جہاز چلانے کی ٹریننگ لی، اور انڈین ایرلائنز سے وابستہ ہوئے، وہ ایک کامیاب پائلٹ تھے لیکن اپنے چھوٹے بھائی سنجے گاندھی کے ہوائی حادثہ میں ہلاک ہونے کے بعد انھیں اپنی والدہ کی مدد کے لیے سیاست میں آنا پڑا، ۸۱ء میں پہلی بار پارلیمنٹ کے ممبر ہوئے اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری بھی مقرر کیے گئے، ۸۴ء میں اندرا گاندھی کے قتل کے بعد وہ وزیر اعظم ہوئے، اسی سال انھوں نے قبل از وقت انتخاب کرایا اور پانچ برس تک وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز رہے، ۸۹ء کے الکشن میں

گو ان کی پارٹی کو سب سے زیادہ سیٹیں ملیں تاہم انھوں نے حکومت کی تشکیل نہ کرکے اپوزیشن میں رہنا پسند کیا، ابھی ڈیڑھ برس بھی نہیں ہوئے تھے کہ پھر نئے انتخاب کی نوبت آگئی جس کے دوران ہی میں انھیں بم سے اڑا دیا گیا، دنیا کی جس زندگی پر انسان پھولا نہیں سماتا اس کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا یہی حال ہے۔

مسٹر راجیو گاندھی کی ابھی عمر ہی کیا تھی، وہ اس ملک کے سب سے کم سن وزیر اعظم تھے ع فَتَیً سَادَ الْعَشِیْرَۃَ اَمْرَدَا۔ ان کے سر پر وزارت عظمیٰ کا تاج رکھا گیا تو پورے ہندوستان کا دل دھڑک رہا تھا، مگر کم سنی اور طویل سیاسی تجربہ نہ ہونے کے باوجود وہ اس بھاری ذمہ داری سے عہدہ برآ اور ملک اور پارٹی کا اتحاد برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئے، ان کی قیادت میں ہونے والے پہلے انتخاب میں انھیں زبردست کامیابی ہوئی، ۸۹ء کے انتخاب میں واضح اکثریت نہ ملنے کے باوجود انھوں نے پارٹی کو انتشار سے بچایا، ان کی حکومت کے دونوں رخ ہیں، لیکن یہ ان کی بڑائی تھی کہ غلطی کے احساس کے بعد انھیں اس کا اعتراف کرلینے میں تامل نہیں ہوا، خیال تھا کہ دوبارہ برسراقتدار آنے پر وہ پچھلی غلطیوں سے سبق لیں گے اور ان کی تلافی کریں گے، اقلیتوں کے معاملہ میں فراخدلانہ رویہ اختیار کریں گے، جن کی تصویر ملک میں روز بروز بگڑتی ہی جارہی ہے، لیکن یہ ساری توقعات خاک میں مل گئیں اور ملک کے مستقبل پر ان کی موت سے دھند اور غبار چھا گیا۔

اس سنگدلانہ حادثہ کے پس پردہ جن لوگوں کا واقعی ہاتھ ہے ان کا سراغ لگنا مشکل ہے، اس سے پہلے دنیا کے بعض ملکوں کے سربراہوں کو اسی طرح لقمۂ اجل بنا دیا گیا، لیکن ان کے قتل کا راز سربستہ ہی رہا، کیونکہ اس قسم کے قتل کا رخ غیر متعلق لوگوں کی جانب سطح

موڑ دیا جاتا ہے کہ صحیح صورت حال سامنے نہ آئے، بہرحال یہ سوچی سمجھی گہری سازش ہے، جس میں بیرونی ملکوں کا ہاتھ بھی ہوسکتا ہے لیکن اس صورت میں بھی ملک کے بدباطن لوگوں کا اس میں ملوث ہونا یقینی ہے، یہ سانحہ جمہوریت اور ملک کے امن و استحکام کے لیے بھی ایک چیلنج ہے، سیاست پر سماج دشمن اور جرائم پیشہ لوگوں کے اثر و نفوذ بڑھ جانے کی وجہ سے آج جو انجام راجیو گاندھی کا ہوا ہے وہی دوسروں کا بھی ہوسکتا ہے، اس لیے تمام سیاسی پارٹیوں اور ملک کے سنجیدہ اور دردمند لوگوں کو اس کی روک تھام کے لیے کمربستہ ہوجانا چاہیے ورنہ ملک تباہ ہوجائےگا۔

تھوڑے سے وقفہ کو چھوڑ کر ۱۹۴۷ء سے اب تک ملک کی باگ ڈور نہرو خاندان ہی میں رہی، راجیو گاندھی کے بچے ابھی چھوٹے ہیں جن کے سیاست میں آنے کا کوئی سوال نہیں، اس وقت وزارت عظمیٰ کے دعویدار تو بہت ہیں مگر ملک بڑے بحرانی دور سے گذر رہا ہے، ایک طرف مذہبی اور فرقہ وارانہ جنون حد سے بڑھ گیا ہے، دوسری جانب مہنگائی، گرانی، رشوت، چوربازاری اور کرپشن نے ملک کی چولیں ہلادی ہیں اور اس کی وحدت و سالمیت خطرے میں آگئی ہے، ایسے بحرانی وقت میں صاف ستھری اور مدبرانہ قیادت ہی ملک کو اس بحران و انتشار سے بچاسکتی ہے۔

دارالمصنفین کو راجیو گاندھی کی حسرتناک موت کا دوہرا غم ہے۔ ان کے ننھیال سے اس ادارہ کا گہرا تعلق رہا ہے، ان کے پرنانا پنڈت موتی لال نہرو اور نانا پنڈت جواہر لال نہرو اس کو اپنی تشریف آوری اور کرم سے برابر نوازتے رہے، موخر الذکر دارالمصنفین کے بڑے محسن اور لائف ممبر تھے، مسز اندرا گاندھی نے اپنے بزرگوں کی روایت برقرار رکھی، دارالمصنفین راجیو گاندھی کے سوگوار خاندان کے غم میں شریک ہے۔

یہ سطریں لکھی جاچکی تھیں کہ انتخابی نتائج کی ابتدائی خبروں کے مطابق مرکز میں کانگریس کی حکومت کے امکانات پیدا ہوگئے ہیں، البتہ بعض بڑے صوبوں میں رجعت پسند پارٹیوں کے بڑھتے ہوئے اثرات تشویشناک ہیں۔

مقالات

تاجُ الدّین محمُود اشنہی

چھٹی ساتویں صدی ہجری کے عارف، شاعر و ادیب

از پروفیسر نذیر احمد علی گڑھ

(۲)

اشنوی کی تصانیف اشنوی کی دو عارفانہ تصانیف نثر میں ہیں اور ان کے اشعار کا مجموعہ بھی تھا جو عارفانہ مضامین سے مملو ہوگا۔ لیکن مجموعہ مفقود ہے اور کم ہی اشعار موجود ہیں، اس کی بحث آگے آئے گی۔ نثری تصانیف یہ ہیں۔

(۱) **غایۃ الامکان فی درایۃ المکان**: اشنوی کا یہ رسالہ بہت مقبول رہا ہے[1]، اس کے متعدد نسخے ملتے ہیں، نجیب مائل ہروی نے اس کو اپنے رسالہ بنام مجموعہ آثار فارسی تاج الدین اشنوی میں شامل کرکے شائع کردیا ہے، یہ رسالہ نہایت محققانہ انداز میں مرتب ہوا ہے اور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

غایۃ الامکان ایک مقدمہ اور تین فصل اصلی اور ایک فصل فرعی پر مشتمل ہے، مقدمہ بہت مختصر ہے جس میں حمد و تنزیہ کے بعد رسالہ کا سبب تالیف لکھا ہے،

---

[1] ص ۵۴ تا ۸۲۔

پہلی فصل توحید پر ہے، دوسری فصل میں مکان اور اس کے انواع کی بحث ملتی ہے، تیسری فصل میں زمان کے موضوع پر بحث کی گئی ہے [1]

"غایۃ الامکان" کے لکھنے کا سبب یہ ہوا کہ مولف نے ایک ایسی خبر کو جس میں لفظ "مکان" آیا تھا، موضوع گفتگو قرار دیا، اس کی بنا پر بعض لوگوں نے اشنوی پر "اتہام تشبیہ" باندھا اور ان پر کفر کا فتویٰ لگایا، ان سے نمٹنے کے لیے اشنوی کو یہ رسالہ لکھنا پڑا، اس رسالے کی تالیف سے ان کو چنداں خوشی حاصل نہیں ہوئی، محض مخالفوں کا منہ بند کرنے اور الزام و اتہام کو رفع کرنے کے لیے اس رسالہ کو مرتب کیا۔

"ولیکن عذر در جلوہ کردن این مخدرۂ عذرا آنست کہ وقتی در اثنای سخن و حالتی گرم بر زبان ما برفت کہ لفظ مکان چون در اخبار آمدہ است انکار نباید کرد ولیکن مکان ہر چیزی بباید شناخت تا تشبیہ از راہ برخیزد پس جماعتی از کوردلان و شوربختان از سر تعصب و حسد و عناد وجود این کلمہ را دستاویز خود ساختند و رنجانیدن ما را میان در بستند و رقم تشبیہ بر ما کشیدند و بہ تکفیر ما فتوی بنوشتند، ناچار ما را بہر اظہار برارت ساحت خود از غبار تشبیہ این مخدرۂ عذرا بدان عینان بالیست دادن و این یوسف باجمال را بدان کوردلان جلوہ بایست دادن، اگرچہ معلوم بود کہ درد تعصب و حسد درمان نپذیرد . . . . ولیکن نومید نیستم کہ صاحب دولتی از سر درد طلب درین مجموع نگرد و از این گنج معرفت برخوردار شود و ما را بہ دعای خیر یاد کند، اکنون پیش از شروع در غرض این مجموع فصلی در توحید بنویسیم تا عاقل منصف را معلوم شود کہ تشبیہ در راہ روندگان خود امکان ندارد چہ در چشم شہود ایشان خود ہیچ چیز را وجود نیست و نتواند بود، پس او را تعالیٰ بچہ مانند کنند چون با او ہیچ چیز نیست"

[لیکن اس مخدرۂ عذرا (کنواری لڑکی) کو سامنے پیش کرنے کا عذر یہ ہے کہ ایک مرتبہ گفتگو کے دوران اور ایک خاص کیفیت کے وقت ہماری زبان پر آگیا کہ لفظ "مکان" چونکہ حدیث میں آیا ہے، اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے لیکن ہر چیز کا "مکان" جان لینا چاہیے تاکہ تشبیہ ختم ہو جائے۔ پس سیہ دلوں اور بدبختوں کی ایک جماعت تعصب، حسد اور دشمنی و عناد کی بنا پر اس کلمے کو بنیاد بنا کر ہم کو رنج پہنچانے کے لیے آمادہ ہو گئی اور تشبیہ کا الزام ہم پر لگایا اور ہماری تکفیر کا فتویٰ لکھا مجبوراً اپنے میدان کو غبار تشبیہ سے برائت کے لیے اس کنواری کو ان ہجڑوں کے اور اس خوبصورت یوسف کو ان سیہ دلوں کے سامنے پیش کیا، اگرچہ اچھی طرح معلوم ہے کہ تعصب اور حسد کا مرض لاعلاج ہے۔ لیکن میں ناامید نہیں ہوں ایسلیے کہ ممکن ہے کوئی خوش نصیب "طلب" کی آرزو میں اس مجموعے پر نظر کرے اور معرفت کے خزانہ سے بہرہ ور ہو اور ہم کو دعائے خیر میں یاد رکھے۔

پس اس مجموعہ کے مقاصد شروع کرنے سے پہلے توحید پر ایک فصل لکھ رہا ہوں تاکہ انصاف کرنے والے دانشور کو معلوم ہو جائے کہ روندگان (سالک) کی راہ میں تشبیہ کا خود کوئی امکان نہیں اس لیے کہ ان [سالکوں] کی چشم شہود (ظاہری نظر) میں خود کسی چیز کا وجود نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے، پس خدائے تعالیٰ کو کس چیز سے

[1] ایضاً ص ۴۰۸۔

تشبیہ دیں جبکہ اسکے ساتھ کوئی چیز نہیں]

بیان المکان[1] کی فصل اس طرح شروع ہوتی ہے:

امداد لطف الٰہی و اعداد عطف پادشاہی نثار روزگار کسی باد کہ درین فصل به دیدۂ انصاف نگرد نہ بہ دیدۂ خلاف و مضمون آن را از راہ طلب حق تصفح کند نہ از راہ تتبع عثرات کہ پادشاہ تعالیٰ غیور است، اسرار صمدیت خود با ہیچ جاحد و معاند درمیان نہ نہد بلکہ عین ستر را سپر ستر گرداند و بہ نزدیک گویندۂ این کلمات آنست کہ در آسمان و زمین ہیچ سرّ عزیزتر و بزرگوارتر و پر فایدہ تر از سر زمان و مکان نیست چہ بیشتر اسرار کہ مشایخ طریقت و علماے حقیقت درآن سخن گفتہ اند اسرار کار حق تعالیٰ است و مکان و زمان، شناختن سر ذات و صفات اوست و ہر کہ زمان و مکان نشناسد او را از معرفت ذات و صفات مقدس بہرۂ بیشتر نباشد۔

[خدا کی مہربانی اور بادشاہ (کائنات) کی عنایت ایسے شخص کے شامل حال ہو جو اس فصل کو انصاف کی نظر سے دیکھتا ہے نہ کہ مخالف کی نظر سے اور اس کے مضمون پر حق کے حصول کی نیت سے غور و خوض کرتا ہے نہ کہ اس میں لغزش و خامی کی تحقیق و تلاش کے ارادہ سے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ غیور ہے، اپنی بے نیازی کے راز کسی منکر اور دشمن پر نہیں کھولتا، بلکہ رازہی کو راز کے نہ ظاہر ہونے کا وسیلہ بناتا ہے اور راقم الحروف کے نزدیک بات یہ ہے کہ آسمان و زمین میں کوئی راز زمان و مکان کے اسرار سے زیادہ عزیز زیادہ اہم اور زیادہ فائدہ مند

---

[1] ص ۵۷ - ۶۲ -

نہیں اس لیے کہ بیشتر اسرار جن کے بارے میں مشائخ طریقت و علمائے حق نے لکھا ہے وہ حق تعالیٰ کے کاموں کے اسرار ہیں اور مکان و زمان اس کی ذات و صفات کے اسرار کا پہچاننا ہے اور جو شخص زمان و مکان کو نہیں جانتا اس کو خدا کی ذات و صفات کی معرفت کا زیادہ حصہ نہیں ملتا]

زمان اور کن فیکون کی معرفت کی فصل[1]

قوله تعالیٰ وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (۵۴/۵۰) و قوله تعالیٰ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (۱۶/۴۰)

"سوال اعتقاد اہل سنت و جماعت آنست کہ اللہ تعالیٰ مرید است بہ ارادت قدیم ازلی متعلق بہ ارادت نامتناہی و ارادت قدیم جز موجبہ نتواند بود و موجبہ آن باشد کہ حصول ہمہ مرادات بدو مقرون بود بدین رنگ، و معلوم است از مرادات، ازلی نیست چہ تعلق ارادت بہ چیزی، حدوث آن چیز اقتضا کند زیرا کہ تعلق ارادت بہ قدیم محال است، پس مرادات کہ تا ابد الآباد در وجود خواہد آمد متعلق ارادت موجبہ کہ در ازل الازال بود، چون تواند بود؟ و نیز از موجودات چیز ہست کہ شش ہزار سال موجود گشت و آن آسمان و زمین است کہ "فی ستۃ ایام" وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (۷/۵۴، ۲۲/۴۷) و چیزی ہست کہ بہ چہل ہزار سال موجود گشت و آن آدم بود صلعم "خمرت طینۃ آدم بیدہ اربعین صباحا، پس کن فیکون کہ بہ چہل ہزار سال فرا دید آید، چگونہ دانیم"

---

[1] ص ۷۳ -

[اللہ تعالیٰ کا قول: اور ہمارا حکم یکبارگی ایسا ہو جائے گا جیسا آنکھوں کا جھپکنا

(ترجمہ) اللہ کا قول: ہم جس چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں پس اس سے ہمارا اتنا کہنا کافی ہوتا ہے کہ تو پیدا ہو جا پس وہ موجود ہو جاتی ہے۔

[سوال: اہل سنت و جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مرید[1] ہے ارادت ازلی قدیم کا جو متعلق ہے ارادت[2] نا متناہی کا، اور ارادت قدیم بجز موجبہ[3] کے نہیں ہو سکتی ہے اور موجبہ وہ ہے جس سے تمام مرادوں کا حصول بغیر ادنیٰ تاخیر کے وابستہ ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ مراد کی کوئی چیز ازلی نہیں، اس لیے کہ کسی چیز سے ارادت کا تقاضا ہے کہ وہ چیز وجود میں آئے، بنابریں ارادت کا تعلق قدیم سے محال ہے، پس وہ مرادات جو ہمیشہ ہمیش (ابد الآباد[4]) تک وجود میں آتی رہیں گی ان کا تعلق ارادت موجبہ سے جو ازل الازال[5] میں موجود تھی، کیونکر ہو سکتا ہے اور نیز موجودات میں ایسی چیزیں ہیں کہ چھ ہزار سال سے ہیں وہ آسمان و زمین ہیں جو چھ[6] دن میں (پیدا ہوئے) اور بیشک[7] ایک دن اللہ کے نزدیک برابر ایک ہزار سال کے ہے، تم لوگوں کے شمار کے موافق اور ایک چیز ہے کہ چالیس ہزار سال

[1] خواہندہ، خدائی صفات میں ایک صفت ہے [2] ارادت = مشیت خواست خدا توجہ خاص مرید = مرشد [3] قضیہ موجبہ ایسا قضیہ جس میں ثبوت کا حکم موضوع پر محمول ہوتا ہے، جیسے انسان حیوان ہے یا انسان جماد نہیں ہے، [4] ابد جس کی انتہا نہ معلوم ہو، ابد الآباد ہمیشہ ہمیش [5] وہ وقت جس کی ابتدا نہ معلوم ہو۔ ازل اور ازل الازال ایک ہی معنی میں آتے ہیں [6] قرآن ۷: ۵۴ [7] قرآن ۲۲: ۴۷۔

پہلے سے ہے اور وہ حضرت آدمؑ کی ذات ہے، اس نے آدمؑ کا خمیر اپنے ہاتھ سے چالیس صبح تک گوندھا۔ پس کن فیکون (ہو پس ہو جاتا ہے) جو چالیس ہزار سال سے وجود[1] میں ہے اس کو کس طرح جانیں]

تاج الدین اشنوی کے مرشد شمس الدین[2] دیلمی تھے، وہ زمان و مکان کے بارے میں دقیق رائے رکھتے ہیں، ان کی اس رائے سے اشنوی بے حد متاثر تھے اور رسالہ غایۃ الامکان اسی اثر پذیری کا نتیجہ ہے، اشنوی کا رسالہ کافی مشہور و مقبول ہوا، ہندوستانی عارفوں میں بھی یہ رسالہ مقبول تھا، نجیب مائل ہروی مولف مجموعۂ آثار[3] فارسی تاج الدین اشنوی نے اس موضوع پر نہایت مفید مواد اکٹھا کر[4] دیا ہے، اسی ضمن میں وہ لکھتے ہیں[5]:

"چھٹی ساتویں صدی ہجری میں مورد بحث رسالہ (غایۃ الامکان) برِ اعظم (ہند) کے صوفی مشائخ کے درمیان شہرت پاچکا تھا اور اس سرزمین کے بعض مشائخ کے ملفوظات اور تصانیف میں اس رسالے کا تاثر نمایاں ہے، منجملہ ان کے شیخ محبوب الٰہی (م ۷۲۵ھ) ہیں، نذر صابری اور لطیف اللہ[6]

[1] فرا دید لفظ متن میں ہے جس کے معنی ظاہر، پیدا ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
[2] ان کا پورا نام شمس الدین ابی ثابت محمد بن عبد الملک تھا، چھٹی صدی کے عارف تھے، لیکن ان کے حالات زیادہ نہیں ملتے، ان کی متعدد تصانیف کے نام ملتے ہیں، کچھ موجود بھی ہیں، لیکن کوئی چھپی نہیں، تفصیل کے لیے دیکھئے "مجموعۂ آثار فارسی" ص ۳-۶ [3] جزء نصوص تاریخی در معرفت زمان و مکان۔ مجموعہ آثار فارسی ص ۱۲۹-۱۴۳ [4] ایضاً ص ۲۰-۲۱ [5] نذر صابری صاحب نے ۱۴۰۱ میں غایۃ الامکان کا اردو ترجمہ مع ایک محققانہ مقدمہ کے جس میں صحیح مصنف کا تعین ہوا ہے کیمبل پور سے شائع کر دیا، لیکن ۱۹۸۴ میں جناب (بقیہ حاشیہ ص ۴۱۲)

نے محبوب الہٰی کی غایۃ الامکان سے اثر پذیری "تحریر" اور "اقتباس" کے عنوان سے ظاہر کی ہے، لیکن راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ اثر پذیری تحریر یا اقتباس نہیں کہی جا سکتی، بلکہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے زمان و مکان کے بارے میں خانقاہی مباحث کی غرض سے اشنوی کی تحریروں سے کچھ ناقص یادداشتیں تیار کر لی تھیں اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ "فضیلت مکان بر مکان و زمان بزمان" کے تعلق سے مستقلاً ان کے ملفوظات بھی ہیں[۲۵]، اور جب کہ سید محمد کرمانی معروف بہ میر خرد نے ان کے زمان و مکان کے متعلق ملفوظات کو اپنے تذکرہ میں شامل کیا تو ان کی یادداشتیں بھی میر خرد کے پیش نظر تھیں: چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں: "و بہ خط مبارک حضرت شیخ المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز بنشتہ (کذا) دیدہ ام"

سید اشرف سمنانی نے لطائف اشرفی میں جو کچھ لکھا ہے اس سے واضح ہے کہ وہ اشنوی اور ان کے شیخ شمس الدین محمد بن عبدالملک دیلمی سے کتنے متاثر تھے ان کا قول[۲۶] ملاحظہ ہو:

"اور زمان کی حقیقت کے بارے میں کافی اقوال ہیں اور اس کی تحقیق شیخ شمس الدین محمد بن عبدالملک دیلمی کی کتابوں میں ہے جو اکابر مشائخ و محققین میں ہیں اور ان کے شاگرد شیخ محمود اشنوی نے ان حقایق کو "رسالہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۱) لطیف اللہ نے اس رسالہ کو عین القضاۃ ہمدانی کے نام سے مع اردو ترجمہ چھاپا ہے یہ انتساب غلط ہے۔ لہ مشکل کتابوں کو حشو و زواید سے پاک کر کے آسان طرز میں لکھنا، تحریر اقلیدس، تحریر دصاف تحریر طوسی اسی قبیل کی کتابیں ہیں ۲۵ دیکھئے مجموعۂ آثار فارسی ص ۱۵۱-۱۵۴ ۲۶ ایضاً ص ۱۵۵

غایۃ الامکان فی درایۃ الزمان والمکان" میں جمع کر دیا ہے اور یہ رسالہ اللہ کی معرفت اور اس کی صفات میں درِ یتیم ہے"۔

سید اشرف سمنانی آٹھویں صدی کے بزرگ ہیں، ان کا مزار کچھوچھ ضلع فیض آباد (یو-پی) میں مرجع خلائق ہے، ان کی دو تصانیف: لطائف اشرفی و مکتوبات اشرفی عرفانی، تاریخی و سیاسی معلومات کا خزانہ ہیں۔

(۲) پاسخ بہ چند پرسش: اشنوی کی دوسری تالیف دراصل وہ جوابات ہیں جو انھوں نے پانچ سوالوں کے دیے تھے، یہ سوالات ان سے ان کے بعض ساتھیوں نے مکہ اور مدینہ کی راہ میں کیے تھے، یہ جوابات عربی زبان میں تھے جن کو اسماعیل بن[۱] عبدالمومن اصفہانی مرید شیخ زین الدین[۲] عبدالسلام کاموئی اور مترجم عوارف[۳] المعارف نے فارسی کا جامہ پہنایا تھا۔

رسالہ "پاسخ بہ چند پرسش" کا موضوع تین لطایف سے متعلق ہے جن کی معرفت عارف کے نزدیک حق تعالیٰ کی معرفت کا زینہ ہے یعنی نفس و دل و سر، چنانچہ

لہ وہ ابو منصور ماشادہ اصفہانی کے خاندان سے تھے، جو چھٹی اور ساتویں صدی میں اصفہان کا مشہور علمی و سیاسی خاندان تھا، اس کا پورا نام اسماعیل بن عبدالمومن بن اسماعیل بن ابو منصور ماشادہ تھا، اس خاندان کے دیگر افراد کے لیے دیکھئے مجموعہ اشعار فارسی ص ۳۰

۲ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے، ان کے لیے دیکھئے ایضاً ص ۳۰-۳۴

۳ یہ ترجمہ ۶۶۵ھ میں ہوا، اس کو سب سے پہلے راقم نے مجلہ بیاض میں ۱۹ میں متعارف کرایا ہے ۴ اسماعیل بن عبدالمومن کی دوسری تصنیف ترتیب تحریر و تقریر صدرالدین محمد اشنوی تھی، دیکھئے مجموعہ اشعار فارسی ص ۴۳ ۵ یہ ترجمہ ہے نجیب مائل ہروی کے خلاصہ کا، دیکھئے ایضاً ص ۴۳۔

دیدہ ور اور عارف محققین نے اشنوی سے حد نفس و دل و سر اور دل اور روح و سر اور روح کے تعلق کے بارے میں اشنوی سے پوچھا ہے، اشنوی نے جو محققانہ جوابات دیے ہیں ان میں بڑا عمق ہے، اشنوی نے نفس کو ذات اور انسان کی حقیقت بتایا ہے، انسان کا فرض ہے کہ کسب معرفت کرے اور امانت الٰہی کو پہچانے، اور لطافت اور کثافت، شرافت اور خست کے اعتبار سے صفات و مراتب امارگی، لوامگی اور مطمئنگی کو قبول کرے اور دل کو غیبی لطیفہ سمجھے کیونکہ وہی روح حیوانی کا منبع اور وجود مطلق کی محبت کی جگہ ہے، سر دل کا لطیف و باریک اشارہ ہے جو روح انسانی کی قابلیت اور مکاشفات و مشاہدات کی صلاحیت رکھتا ہے، ان نکات کی تشریح و توضیح کے بعد اشنوی نے بیشتر اطوار قلب کی طرف توجہ کی ہے اور سر خفی جو نہایت لطیف ہے اور عارف کا انوار حق میں فنا ہو جانا اسی کی خاصیت سے وابستہ ہے، کی تحقیق کی ہے،

ذیل میں خود اصل سوال اور جواب بہت مختصر طور پر بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں۔

سوال اول[1]: آنست کہ حد نفس چیست و حقیقت و ماہیت آن چگونہ است؟..

سوال دوم: آنست کہ چون بیان کردی کہ حد نفس چیست.. بفرمای کہ حد دل چیست، این گوشت پارہ صنوبری کہ در پہلوی چپ است یا چیزی دیگر؟.....

سوال سوم: حد سر چیست و حقیقت آن چیست؟

سوال چہارم: بعضی مشایخ اختلاف کردہ اند در نفس و دل و روح بعضی

---

[1] دیکھیے مجموعۂ آثار فارسی ص ۸۳-۹۵۔

گفتہ اند ہمہ یکی است و اختلاف نامہا بحسب مقام و احوال است و بعضی گفتہ اند ہر یکی را حقیقتی و ہر یک دیگر است، شیخ درین چہ فرماید؟

سوال پنجم: مشایخ سوال کردہ اند در رتبت سر و روح، بعضی گفتہ اند رتبت سر بالا است و بعضی گفتہ اند رتبت روح بالا است، شیخ درین چہ فرماید

جواب کا انداز یہ ہے۔

بدانکہ این ہر پنج سوال فرع معرفت است، یعنی معرفت نفس اصل است و اینہای دیگر فرع و چون معرفت اصل حاصل آید معرفت فرع ظاہر گردد و معرفت نفس مسئلۂ دشوار است و شرح آن بغایت غامض و باریک، چنانکہ مرغ سخن درین ہوائی پر و بال بماند و مرکب عبارت درین میدان از جولان باز ماند و این اشکال عجب نیست زیرا کہ در عالم غیب و شہادت بعد از معرفت حق تعالیٰ ہیچ معرفت غامض تر و مشکل تر از معرفت نفس نیست و ہر آئینہ چنین باشد کہ معرفت نفس نردبان معرفت حق است۔ الخ

آپ ملاحظہ کریں گے کہ ایسے عارفانہ مسائل کو جو بڑی حد تک فلسفیانہ طرز استدلال رکھتے ہیں، کیسے صاف اور سیدھے طرز میں بیان ہوئے ہیں، عام صلاحیت کا آدمی گو مطالب کی تہ تک نہ پہنچے گا لیکن عبارت کی تفہیم میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

اشنوی کی شاعری اشنوی بیشک شاعری کا بڑا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور ان کے جو اشعار باقی رہ گئے ہیں ان سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ وہ صاحب دیوان شاعر ہوں گے، راقم حروف نے ۱۹۷۷-۱۹۷۸ میں ان کے اشعار جو اسمٰعیل

بن عبدالمومن اصفهانی نے ترجمۂ عوارف المعارف (تالیف ۶۶۵ھ) میں درج کیے اور جن کی نسبت میں کوئی شک نہ تھا، الگ کر کے اپنے مضمون: ترجمہ قدیمی از عوارف المعارف (بیاض، ۱۹۷۷) میں شایع کر دیے تھے، البتہ مجھے کتابخانہ مجلس شورائے ملی کے سفینۂ اشعار کا مخطوطہ باوجود کوشش کے نہیں مل سکا جیسا کہ میں نے اپنے مقالے کے ص ۱۳۱ کے حاشیے میں واضح کر دیا ہے، خوشی کی بات ہے کہ نجیب مائل ہروی کو یہ سفینہ بھی ہاتھ لگ گیا اور ان دونوں کی مدد سے انھوں نے ۲۵ فارسی غزلوں اور ایک عربی نظم کو شایع کر دیا ہے ان دو اہم ماخذ کے علاوہ رسالۂ غایۃ الامکان میں دو عربی بیت اور روح الجنان میں دو فارسی بیت اور خرابات ضیا پاشا دو فارسی بیت درج ہیں، ان سب کو ملا کر ۲۵ فارسی غزلیں اور دو عربی بیت ہوتی ہیں، راقم کو تین اور منابع کا پتا چلا ہے ایک روضۃ الناظر تالیف[1] عزیز کاشی اور دوسری کتاب نزہۃ[2] المجالس اور تیسرا ماخذ خلاصۃ الاشعار[3] ہے روضۃ الناظر میں مطبوعہ غزل ۳ کی تین ابیات درج ہیں اور نزہۃ المجالس[4] میں حسب ذیل

---

[1] اوائل قرن ہشتم کا مجموعہ ہے، دیکھیے نزہۃ المجالس ص ۶۸ [2] یہ رباعیات کا ایک قدیم مجموعہ ہے جس کا مرتب خلیل شروانی ہے اور سال ترتیب ۷۲۲ھ کے کچھ بعد ہے اس میں ۴۱۳۹ رباعیاں ہیں جو ۲۹۱ شعرا کی ہیں، شروان شاہ کے لیے ۰۱ باب کے ذیل میں مرتب ہوا، اسکا واحد نسخہ مکتوبہ ۷۳۱ کتابخانہ سلیمانیہ استنبول میں اس کی رو سے دکتر محمد امین ریاحی نے ۱۳۶۶ھ نہایت محققانہ انداز میں اس کو تہران سے شایع کر دیا ہے ...... [3] خلاصۃ الاشعار کے اس نسخے میں جو بانکی پور پٹنہ لائبریری میں ہے اس میں تاج الدین اشنہی کی دو غزلیں ہیں، ایک تو عوارف المعارف و مجموعہ رسالہ فارسی میں درج ہے، دوسری عوارف میں (صرف ۵ بیت) بغیر شاعر کے ذکر کے (ص ۱۳۰ - ۱۳۵) ہے، جبکہ مکمل غزل خلاصۃ الاشعار میں نقل ہے [4] ص ۱۲۰، رباعی ۲۶

زاید عارفانہ رباعی ذیل شیخ تاج الدین اشنہی درج ہے:

دوش این دل ما جامۂ جان شق می زد | خیمہ ز بر طارم ازرق می زد
اندر نظرش چو هیچ موجود نماند | بی واسطۂ دم انا الحق می زد

اشنوی کی شاعری عارفانہ رنگ کی ہے، ان کا طرز سادہ و شگفتہ ہے، یہ غزلیں اتنی پرتاثیر ہیں کہ کبھی کبھی ان کا تامل مولانا رومی سے جا ملتا ہے، لیکن یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بیشتر غزلیں ترجمہ عوارف کے مطالب کی توضیح کے سلسلے میں نقل ہیں جن کو عارفانہ ہونا ہی چاہیے اور قدیم سفینہ میں جو نظمیں درج ہیں وہ بھی اسی رنگ میں ہیں، اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اشنوی نے عارفانہ رنگ میں لکھا ہے اور چونکہ وہ ایک جانے پہچانے عارف اور صوفی تھے تو ان کی شاعری بھی اسی رنگ میں ہونا چاہیے، لیکن بڑی بات یہ ہے کہ ان کی شاعری میں توانائی اور کشش ہے اور باوجود سادگی کے اگر کوئی کلام پرکشش ہو تو اس سے شاعر کا کمال ظاہر ہوتا ہے، ذیل میں چند غزلیں[1] درج کی جاتی ہیں:

اگر تن است بجز خستۂ بلائی تو نیست | وگر دلست بجز بستہ ولای تو نیست
ز فرق تا بقدم ذرۂ نمی بینم | کہ آن از آن تو ای دوست یا برای تو نیست
ز نقش نفس تهی کردہ ام خرابۂ دل | ولی چہ سود کہ در خورد کبریای تو نیست
مرا ز غیرت گفتی ز غیر یار ببر | ز جان و دل ببرم گر دران رضای تو نیست
اگر کسی است کہ قارون گنجہای غم است | بہ زیر گنبد گردون، جز این گدای تو نیست
بہ مرحبائی بنواز خستہ جان مرا | کہ هیچ مرهمی او را چہ مرحبائی تو نیست

---

[1] ص ۹۵ - ۱۱۶ -

نرداہش ای دل رنجور پای باز مکش — اگرچہ دانم کاین بادیہ بہ پای تو نیست

زور دل سرحسرت بر آستان می زن — کہ صدر صفۂ دار الجلال جای تو نیست

تا[1] شور غمت ای بت عیار بر آمد — فریاد و فغان از در و دیوار بر آمد

جان رہگذر کوی تو بر آتش غم دید — زو نعرۂ "النار و لا العار"[2] بر آمد

زنار مغان از غم عشق تو خبر یافت — دعوی انا الحق ز زنار بر آمد

عشق تو بہ بلغار و سقسین نظری کرد — فریاد بہ یکبار ز کفار بر آمد

یوسف بہ بوی[3] بہ بن چاہ فرو شد — حلاج ببوئی بہ سر دار بر آمد

ہر کو بہ زر و زور بکوی تو فرو شد — با نالہ زار از ہمہ بزار بر آمد

در کوی فراموشان لطفت نظری کرد — صد غمزدۂ دل شدہ را کار بر آمد

سجادہ و زنار بیک نرخ فرو شد — چون عزت قدس[4] تو بہ بازار بر آمد

اگر این تہمت ہستی ز روی کار بر خیزد — ہزاران نعرۂ مستی ز کوی یار بر خیزد

دگر زنار شماسی ز عشق او خبر یابد — بسالاف انا الحق کزان زنار بر خیزد

دگر یکبار آن دلدار بر گلزار بخرامد — ہم اندر حال رسم خار از گلزار بر خیزد

دگر یک لحظہ اندر کسوت عزت پدید آید — ہزاران آہ و واویلاہ از ابرار بر خیزد

نگارینا بہ موئی ز زلف خویش پیدا کن — کزین یک کار تو مارا ہزاران کار بر خیزد

عجب نبود چو ہدہد را سلیمان تاج می بخشد — کہ موری کو ندا قوتی از این ایثار بر خیزد

---

[1] یہ غزل خلاصۃ الاشعار نسخہ بانکی پور ۲۴۳ الف پر منقول ہے [2] عوارف المعارف تصحیح قاسم انصاری ص ۲۴۳ [3] مجموعہ اشعار اشنہی ص ۱۰۱؛ نوبدی متن مطابق عوارف و خلاصۃ الاشعار [4] لطف۔

ہر خردمند کہ در دل غم ایمان دارد — کار دنیا ہمہ بازیچہ و دستان دارد

دست در دامن تقوی نزند از سر صدق — ہر کہ او را ہوس جاہ گریبان دارد

لذت از عالم ارواح نیابد ہرگز — ہر کہ در جستن جانانش غم جان دارد

بوی گلزار حقیقت بہ مشام آید — کہ ز غم ابر صفت دیدہ گریان دارد

وانکہ چو مور قناعت بہ یکی دانہ کند — سزد ار باب خرد ملک سلیمان دارد

کار دنیا ہمہ باد است بر آن دل چہ نہی — باد را ہر کہ شود جفت پریشان دارد

سر میفراز بدین حشمت دہ روزہ کہ چرخ — زیر گل چون تو سرافراز فراوان دارد

جانا[1] دلی کہ با غم تو آشنا شود — گر خون شود ز ہجر تو بگذار تا شود

خود آنکہ غمگسار دل اوبود غمت — شادان چرا نباشد و غمگین چرا شود

خلد برین ز رشک من آتش شود اگر — خاک در تو تاج سر این گدا شود

دل بگسلد ز مہر تو آخر کہ بایدش — جان بگذرد و لو آخر کجا شود

با شیر مادرم غم تو ذخیرہ کردہ است — ہرگز مباد روزی کز من جدا شود

آخری دو شعر خلاصۃ الاشعار میں ہیں:

آنست شرط عشق کہ جان را ہدف کنم — ہر تیر درد را کہ ز شست رہا شود

نا ممکنست خود کہ صد تیر درد تو — یک تیر از این نشانہ جانم خطا کند

رمزی ز عشقت ای جان در عقل و جان نگنجد — حرفی ز داستانت در صد زبان نگنجد

جان و خرد شہر بند لیکن نہ مرد عشقند — دانی کہ بحر اخضر در ناودان نگنجد

---

[1] اس غزل کے پہلے ۵ شعر عوارف المعارف ص ۱۳۴-۱۳۵ میں بغیر ضبط نام شاعر درج ہیں البتہ خلاصۃ الاشعار نسخہ بانکی پور ورق ۲۴۲ الف پر یہ غزل تاج الدین اشنہی کے نام سے آتی ہے۔

ہاں تاجال جانان درجان نہ جوئی زیراک	منجوق ہودج او "درکن فکان" نگنجد
اندر حدث قدم را جستن محال باشد	عنقای قاف عزت درد وکدان نگنجد
پای شگرف باید مرفوروہٗ قدم را	رفتن بر اوج اعلی در نردبان نگنجد
سوی ازل چہ بازی گرد اندچہ تازی	کوتہ کن این درازی کاندر زبان نگنجد
دردست خلق بادی ہرکس بدان چوشادی	آنجا کہ ہست رادی در این و آن نگنجد
عمر خود ای بیخبر بر باد غفلت دادہٗ	صد در ازبی دولت بر خویشتن بگشادہٗ
عنکبوت شہوتت بتست بر دام غرور	آخر ای خرنگری کاندرچہ دام افتادہٗ
ننگ و عار مسجدی واندر کنشتت جای نی	بہر نیکان باد تندی و بدان را بادہٗ
وانگہی دعوی کہ جنت چیست دوزخ خود کدام	شاد باش ای بیت وشش سالہ کہ چون دل سادہٗ
در خراب آباد دیو ایوان بہ کیوان بردہٗ	این نمی دانی کہ جز بر یخ بنا ننہادہٗ
راہ حق بس روشنست و کار او بس آشکار	زان نمی بینی کہ اندر پیش خویش استادہٗ
تا تو در بند خودی ہم بندی وہم بندہٗ	چون ز خود فارغ شدی آزادی و آزادہٗ

یہ اشعار سادہ اور دلکش ہیں، ان میں شعریت موجود ہے لیکن شاعر بادۂ عرفان سے سرشار تھا اس لیے اسکی شاعری پر عرفان غالب آیا، تاج الدین اشنہی باقاعدہ خانقاہی صوفی تھے، ان کی خانقاہ میں صوفیوں کی تربیت ہوتی تھی، فارسی شاعری کا مزاج عرفان سے بہت قریب ہے، اشنہی کی فارسی شاعری عرفانی شاعری بن جاتی ہے۔ بہرحال اتنا ضرور ہے کہ اگر تاج الدین اشنہی شاعری کیطرف پوری طرح متوجہ ہو جاتے تو انکا شمار اچھے شاعروں میں ہوتا۔ بخوبی ممکن ہے کہ انھوں نے کافی کلام چھوڑا ہو، تلاش جاری رکھنی چاہیے، ممکن ہے کہیں انکا کلام مل جائے نہ جانے کتنے ایسے بزرگ ہونگے جو خود اپنے کلام کیساتھ گوشہ گمنامی میں جا پڑے ہیں اگر تلاش و تحقیق کی جائے تو بہتوں سے گمنامی کا پردہ ہٹ جائے گا۔ عرفان و ادب کی یہ بڑی خدمت ہوگی۔

عقیدۂ توحید

اسلام کا بنیادی اصول

از

مولانا حبیب ریحان خاں ندوی معتمد تعلیم دار العلوم تاج المساجد بھوپال

اسلام ایک کلی نظام ہے جو اپنے اندر ہر زمانے، ہر ملک، ہر ماحول اور ہر سوسائٹی میں قیامت تک زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کی تعلیمات میں ہر شخص کے لیے سامانِ ہدایت ہے اور وہ ہمیشہ صراط مستقیم کی نشاندہی کرتا ہے، دنیا کی تمام مشکلات کا حل اس میں موجود ہے اور انسانیت کی تمام دیرینہ اور پیچیدہ بیماریوں سے شفایابی کا وہ کامیاب نسخہ ہے۔

زمان و مکان پر محیط | چونکہ اسلام کا زمانی سلسلہ ازل سے ابد تک دراز ہے اور اس کا مکانی دائرہ کائنات کے ہر اس سیارہ تک محیط ہے جہاں زندگی کے نشان پائے جا سکتے ہیں یا جہاں تک انسان کی رسائی ممکن ہے، اس لیے اسلام کا نظام بھی زندگی کے ان تمام شعبوں پر حاوی ہے جنھیں خالقِ کائنات نے فطرت انسانی میں ودیعت کیا ہے۔ اس لیے اسلام نہ صرف خالص روحانی (رہبانیت) نظام ہے نہ خالص مادی (جسمانی وجسدی) نظام وہ صرف فردی یا اجتماعی نظام بھی نہیں ہے

بلکہ اس کی تعلیمات تمام روحانی، مادی، فردی اور اجتماعی امور پر مشتمل اور انکی اصلاحات کی ضامن ہیں جن کی پیروی کرکے اسلافِ امت نے زندگی کے ہر شعبے میں اعلیٰ مدارج طے کیے اور وہ ہر نقص وعیب سے مبرا ہوگئے۔

توحید | اسلام کا ہر حکم اور اس کی ہر تعلیم ایک مستحکم ستون ہے جس کو مضبوطی سے پکڑ لینے کے بعد مسلمان ہمدوشِ ثریا ہوگئے تھے لیکن اس کی سب سے اہم بنیادی اور زندگی کی کایا پلٹ دینے والی تعلیم توحید ہے جو دوسری تمام تعلیمات کا اصل الاصول اور لب لباب ہے۔ یہاں اسی پر مختصر بحث کی جائے گی۔

مقصدِ تخلیق | کائنات خدا کی پیدا کردہ ہے اس کی تخلیق کا مقصد انسان کو نجات وسعادت سے ہمکنار کرنا ہے وہ اس دنیا میں خدا کی سب سے مکرّم اور محبوب مخلوق ہے اس کی پیدائش کی غرض وغایت عبادت ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات: ۵۶)
میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔

خدا کی عبادت کا اعتراف انسان کی سب سے بڑی صفت ہے جس سے انبیاء ورسل اور ملائکہ کو بھی انکار کی جرات نہیں ہوئی۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ (نساء-۱۷۲)
مسیحؑ نے اسے عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب ترین فرشتوں نے اسے عار سمجھا۔

عبادت کا حقیقی مفہوم | خدا کی عبادت کس طرح کی جائے، عبادت صرف اعضاء وجوارح کے

عمل ہی کا نام نہیں ہے بلکہ دل کے اس ایمان وعقیدہ کا نام بھی ہے جس کی اصلاح کے بغیر کوئی عبادت مقبول نہیں ہوتی مثال کے طور پر جس طرح نماز کے لیے وضو واجب ہے جس میں اعضا کے دھونے کا حکم ہے اور وضو کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی اسی طرح نماز سے پہلے قلب کی طہارت بھی ضروری ہے، حقد وحسد، کبر وغرور وغیرہ جیسے تمام قلبی امراض سے پاکی کے بغیر نماز کی حقیقی قبولیت ناممکن ہے۔

جب تک انسان اس حقیقت کبریٰ سے واقف نہ ہو کہ اس کا خالق ورازق، مالک ورب اور مولیٰ وماوی وملجا خدائے پاک ہے وہ دل کی گہرائیوں سے اس کے روبرو سجدہ ریز نہیں ہوسکتا اسی ایمان وعقیدہ کا نام وحدانیت یا توحید ہے اور اسی پر ثواب ونجات کا دارومدار ہے اور یہی کونین کی سب سے بڑی اور سب سے واضح حقیقت ہے چنانچہ جس دن پردۂ ہستی پر انسان نمودار ہوا ہے اسی دن اس کو توحیدِ باری تعالیٰ کا درس بھی دیا گیا، دراصل توحید کی مثال اس تناور درخت کی ہے جس کی شاخیں اور برگ وبار اعمال صالحہ ہیں، اس لیے اگر تنا مضبوط اور زندگی بخش نہ ہوگا تو شاخیں سوکھ جائیں گی اور پھلوں کا تصور بھی ایسی صورت میں نہیں کیا جاسکتا۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (نحل-۳۶)
ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا جس نے خبردار کردیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (غیر اللہ) کی بندگی سے بچو۔

توحید تمام انبیاءؑ کی دعوت | توحید کے بغیر زندگی بے رونق اور حیات بے نور ہے، اس لیے تمام انبیاء کرامؑ کی دعوت کا مرکزی نقطۂ فکر یہی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ	ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا
مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ	ہے اسے یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا
اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ	کوئی معبود نہیں ہے پس میری ہی
(انبیاء : ۲۵)	بندگی کرو۔

اس عمومی بیان کے بعد چند مخصوص انبیاء کے سلسلہ میں قرآن پاک کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ	ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کے پاس
فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ	رسول بنا کر بھیجا اس نے کہا اے
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۝	قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا
(مومنون ۲۳)	تمہارا خدا نہیں ہے۔
وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ	اور قوم عاد کے پاس ان کے بھائی
يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ	ہودؑ کو بھیجا انہوں نے کہا اے قوم
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۝	اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا
(اعراف ۶۵)	تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔

الغرض تمام انبیاء کی دعوت توحید تھی عہد عتیق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ خدائے پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو وصایائے عشرہ دیے تھے ان میں سب سے اہم وصیت یہی تھی۔

"میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا، تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ

میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں" (خروج ۲۰۔۳۹-۵)

حضرت مسیح علیہ السلام سے جب ایک فقیہ نے پوچھا کہ

"سب حکموں میں اول کون سا ہے، یسوع نے جواب دیا اول یہ ہے اے اسرائیل سن، خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ" (انجیل مرقس ۱۲: ۲۹-۳۰)

اسی طرح حضرت مسیحؑ کا جو مکالمہ ابلیس لعین سے ہوا اس میں توحید خالص کا اسطرح اظہار ہے۔

"پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی اور اس سے کہا اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرے تو یہ سب تجھ کو دے دوں گا یسوع نے اس سے کہا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ: "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسکی عبادت کر"، تب ابلیس اس کے پاس سے چلا گیا" (انجیل متی ۴: ۸-۹)

توحید سے محروم دنیا

لیکن انبیاء علیہم السلام کی اس مسلسل دعوت توحید کے باوجود چھٹی صدی عیسوی میں دنیا توحید خالص کے اعتقاد سے نہایت دور ہو گئی تھی اور خدائے پاک کی ذات و صفات کے بارے میں پیچیدہ فلسفیانہ نظریات پیدا ہو گئے تھے یہانتک کہ وہ مذاہب بھی جو توحید کی دعوت دینے کے لیے اٹھے تھے کسی نہ کسی طرح کے شرک میں ملوث ہو گئے تھے، اس لیے اسلام نے توحید کے سلسلہ میں ایسا واضح دوٹوک موقف اختیار کیا جس میں ذرا بھی شرک کی آمیزش نہ ہو اس نے توحید کی

حقیقت اس طرح واضح کی کہ اعتزال، ترکیب اور اجزاء وغیرہ کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہنے دی۔ اس کی بدولت خدائے پاک کی یکتائی کا وہ زندہ تصور پیدا ہوا جو بنی آدم کی وحدت اور اعمال صالحہ کے لیے محرک ہو۔

واضح عقیدۂ توحید | اسلام کا عقیدۂ توحید ہر قسم کے غموض، ابہام اور لاہوتی و میتافیزیقی جھگڑوں سے پاک وصاف اور نہایت سادہ، واضح اور دل نشیں ہے جس پر مغرب کے بڑے بڑے اہل علم وعقل کو بھی خراج تحسین پیش کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑا، اختصار کی غرض سے یہاں صرف دو اقتباس پیش کیے جاتے ہیں ہربرٹ چارج ولز اس طرح رقم طراز ہے:

"اسلام میں توحید میں کسی قسم کی ڈھیل نہیں ہے اور وہ یہودی اعتزال سے پاک ہے اور قرآن توحید کو بار بار پیش کرتا ہے اور دلائل سے ثابت کرتا ہے اسلام نے پہلے دن سے وہ دروازے بند کر دیے جن کے ذریعہ توحید میں لاہوتی اضافے ہوں، ایسے اضافے جنھوں نے مسیحیت کو بگاڑ دیا اور اس میں اختلافات پیدا کر دیے اور عیسی کی روح کو ختم کر دیا اور مسلمانوں کے سامنے ہر وہ روشندان بند کر دیا جس سے کاہن قربانی کے لیے خدا اور بندے کے درمیان حائل ہو جائے، اس لیے اسلام میں فقہاء، علماء اور واعظ آج تک پائے جاتے ہیں لیکن کاہن اور پادری نہیں پائے جاتے ..... اسلام کی مخالفت یہود نے کی جنھوں نے خدا کی رحمت کو بنو اسرائیل کے لیے خاص کر لینے کا دعویٰ کیا تھا اس طرح اس کی مخالفت اس مسیحیت نے کی جس میں اس وقت تا بوت مقدس کی حکمرانی تھی اور ایمان کے قوانین کی لاطائل بحثیں چھڑی

ہوئی تھیں جن میں ایک عام شخص یہ تمیز نہیں کر سکتا کہ سر کہاں ہے اور دُم کہاں ہے لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے توحید کا اصول انسانیت کے دل میں واضح طور پر بلا کسی ابہام وغموض کے اتار دیا۔"[1]

حقیقی توحید | توحید کے سلسلہ میں کانٹ ہنری ڈی کاسٹری کا ایک مختصر قول اور بیان کروں گا:

"اللہ احد اللہ احد کا کلمہ مسلمانوں کے پاس رہا ہم مسیحی قوموں سے غائب ہو گیا کیونکہ ہم توحید خالص سے دور ہو گئے، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اسلامی عقیدہ اس اعتقاد کا نام ہے کہ خدا یکتا ہے، پالن ہار ہے، ہر اس نقص سے پاک ہے جس کا عقلی تصور کیا جا سکتا ہے اور یہی وہ صحیح اور مضبوط اعتقاد ہے جس کی وجہ سے مسلمان دوسری قوموں سے ممتاز ہیں اور وہی درحقیقت مومن ہیں۔"[2]

الغرض اسلام نے وحدانیت کا جو صاف صریح اور سادہ مفہوم پیش کیا وہ سورۂ اخلاص میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ	کہو وہ اللہ ہے یکتا اللہ سب سے
لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ	بے نیاز ہے سب اسکے محتاج ہیں،
کُفُوًا اَحَدٌ۔	نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی
	اس کی اولاد ہے اور کوئی اس کا
	ہمسر نہیں ہے۔

---

[1] "دی آوٹ لائن آف ہسٹری" کے عربی ترجمہ "معالم تاریخ الانسانیہ ص ۹۳-۹۲" سے تلخیص [2] اسلام سے متعلق ہنری دی کاسٹری کی کتاب فرانسیسی زبان میں ۱۸۹۶ء میں چھپی تھی فوراً اسکا عربی ترجمہ "الاسلام" کے نام سے قاہرہ میں چھپا تھا اسکے ص ۱۶-۱۷ سے یہ اقتباس لیا گیا ہے۔

براہین خلق ونظام وکمال

نزول قرآن کے وقت منکرین توحید کے متعدد گروہ تھے، ایک گروہ مظاہر قدرت یا بتوں کی پوجا کرتا تھا دوسرا گروہ خیر وشر کے دو خداؤں (یزداں واہرمن) کا تصور لیے بیٹھا تھا، تیسرا گروہ ان نصرانیوں کا تھا جو تین خداؤں کو فلسفیانہ انداز پر سمجھنے کی کوشش کرتے تھے، قرآن پاک نے ان تمام گروہوں کے نظریات کا بطلان کیا اور ان کے عائد کردہ اعتراضات کا تشفی بخش جواب دیا۔

اس ضمن میں یہ عرض کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ قرآن پاک قیامت تک کیلئے اتارا گیا ہے اور یونانی حکما وفلاسفہ سے لے کر عرب کے امی تک اسی کے مخاطب ہیں اس لیے قرآن مجید نے وجود باری تعالیٰ اور توحید کے وہی دلائل وبراہین پیش کیے ہیں جن کو فلسفہ وعلم پیش کرسکتا ہے لیکن اس کا اسلوب ادبی اور دل میں اتر جانے والا ہے اور اس میں بڑی حلاوت اور شیرینی ہے، وجود باری تعالیٰ کے منکروں کے بارے میں وہ اس طرح خطاب کرتا ہے۔

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ	کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے
هُمُ الْخَالِقُونَ (طور: ۳۵)	یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔

اس کو فلسفہ کی زبان میں برھان الخلق یا (COSMOLOGICAL-ARGU MENT) کہتے ہیں۔

دوسری دلیل قرآن پاک نے یہ پیش کی۔

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِنْ	تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی
تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ	نہ پاؤ گے نظر پلٹ کر دیکھو کیا تمہیں کوئی
تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ (الملک: ۳)	خلل نظر آتا ہے؟

فلسفہ کی زبان میں اسے برھان النظام یا (TELEOLOCAL ARGUMENT) کہتے ہیں یہ ارسطو کی قدیم دلیلوں میں سے ایک ہے نیوٹن نے بھی اس کو اپنایا ہے اور سارے قدیم وجدید فلاسفہ کسی نہ کسی طرح اس سے استدلال کرتے ہیں۔

تیسری دلیل قرآن مجید نے یہ پیش کی ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (شوریٰ: ۱۱)	کائنات کی کوئی چیز اسکے مشابہ نہیں ہے
لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ	نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور
يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ	وہ نگاہوں کو پالیتا ہے وہ نہایت
اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (انعام: ۱۰۳)	باریک بین اور باخبر ہے۔

اس کو فلسفہ کی زبان میں برھان کمال کہتے ہیں، مغرب میں اسے (ONLOLO GICAL ARGUMENT ANSILM) کہتے ہیں، گیارہویں صدی کے مشہور مسیحی فلسفی سینٹ انسلم (۱۰۳۳ - ۱۱۰۹) کی طرف یہ دلیل منسوب ہے۔

یہ دلائل گو فلسفیانہ تھے لیکن قرآن پاک نے اپنے معجزانہ اسلوب بیان سے ان کو زندگی بخش دی ہے۔

مظاہر قدرت پر غور وفکر

ان خاص دلائل کے بعد قرآن پاک نے جگہ جگہ اپنی قدرت کے مظاہر جمال وجلال، نور ونار، نباتات واشجار، زمین وآسمان، پہاڑ ودریا، چرند وپرند سب پر غور کرنے کی دعوت دی اور ثابت کیا کہ یہ سب چیزیں صرف خدا کی قدرت خلاقی سے پیدا ہوئی ہیں، اس موضوع پر بے شمار آیتیں ہیں، ہم صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں جس میں انسان کے قلب وضمیر اور عقل کو سوچنے کی دعوت دی گئی ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اِنَّ
فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ
بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا
بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ
تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ
الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝
(بقرہ: ۱۶۳-۱۶۴)

تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے اس کے
سوا کوئی خدا نہیں ہے وہ رحمٰن
ورحیم ہے، بے شک آسمان و
زمین کی ساخت میں، رات اور دن
کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے
میں، ان کشتیوں میں جو انسانوں
کے نفع کی چیزیں لیے سمندروں میں
چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی
میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے
اور اس کے ذریعہ سے وہ زمین کو
زندگی بخشتا ہے (اور اس انتظام
کی بدولت) زمین میں ہر قسم کی جاندار
مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش
میں اور ان بادلوں میں جو آسمان
وزمین کے درمیان تابع فرمان ہیں
(ان سب چیزوں میں)، اہل عقل
کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں۔

متعدد معبودوں کے عقلی نقصانات

خلق الٰہی کی ان اشیاء کی طرف اشارہ کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر دو معبود یا متعدد دیوتا بھی تو یہ کام کر سکتے ہیں،

یونانی وتثنیت یا مجوسی ثنویت کا جواب قرآن پاک کس عقلی انداز سے دیتا ہے۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ
لَفَسَدَتَا ۝
(انبیاء: ۲۲)

اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا
دوسرے خدا ہوتے تو ان دونوں کا
نظام بگڑ جاتا۔

متعدد دیوتاؤں کے تصور سے نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا، علاوہ بریں ان سب رذائل اور بداخلاقیوں کو جنم دے گا جس سے قدیم میتھالوجیا بھری ہوتی ہے اور جس میں دیوتاؤں سے متعلق ایسے ایسے قصے درج ہیں جن سے انسان کی پیشانی شرم سے جھک جاتی ہے، کتنا پیارا اسلوب ہے۔

وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ
اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ ۢ بِمَا
خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى
بَعْضٍ (مومنون: ۹۱)

کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ
نہیں ہے ورنہ ہر خدا اپنی مخلوقات
کو لے کر الگ ہو جاتا اور ایک
دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔

ہر مخلوق بندگی کا اقرار کرتی ہے

جن لوگوں کا اصرار تھا کہ خدا صاحب اولاد ہے ان کا جواب اس عقلی دلیل سے دیا گیا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اس کی ملکیت ہے اور ساری مخلوق اس کی بندگی اور عبدیت کی مقر ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا
لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ
يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ
وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ

وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا
بنایا ہے، سخت بے ہودہ بات ہے
جو تم گھڑ لائے ہو، قریب ہے کہ
آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق

وَلَدًا ..... اِنْ كُلُّ مَنْ	ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں اس بات
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا	پر کہ لوگوں نے رحمان کے لیے اولاد
اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا لَقَدْ اَحْصٰهُمْ	ہونیکا دعویٰ کیا.... اور زمین و
وَعَدَّهُمْ عَدًّا وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ	آسمان میں جو بھی ہیں وہ اسکے
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝	حضور بندوں کی حیثیت سے پیش
(مریم - ۸۸-۹۵)	ہونے والے ہیں اس نے ان کو
	شمار کر رکھا ہے اور فرداً فرداً
	قیامت کے روز اس کے سامنے
	حاضر ہوں گے۔

کائنات کے تمام اختیارات کا مالک

الغرض اسلام نے توحید خالص کا وہ عقیدہ پیش کیا جس میں کائنات کے سارے اختیارات صرف خدائے واحد و لاشریک کے دستِ قدرت میں ہیں، وہ اکیلا تمام بندوں کی التجائیں اور دعائیں سنتا ہے اور ان کو قبول کرتا ہے، اس کے سوا نہ کسی کی عبادت کی جا سکتی ہے نہ کسی سے استعانت و مدد مانگی جا سکتی ہے، اسکے حکم کے بغیر نہ کوئی چیز نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔

توحید اسلامی شرک جلی و خفی کے تمام اثرات و مظاہر سے پاک ہے اس میں پرستش کی تمام شکلیں صرف مالک الملک اور رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، اس توحید میں نہ کوئی ابہام ہے نہ کوئی غموض و خفا، نہ خدا تک پہنچانے کے لیے کسی کاہن اور پادری کی ضرورت ہے یہ:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ — صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں

اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں

کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

عقیدۂ توحید کا فائدہ

اس واضح عقیدہ نے انسانی زندگیوں میں وہ کلی انقلاب برپا کر دیا تھا کہ تاریخ عالم کا ہر منصف مورخ اس کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا اور آج بھی انسانیت اپنی لاعلاج بیماریوں کا علاج اور گوناگوں مشکلات کا حل اس عقیدۂ توحید میں پا سکتی ہے، یہ عقیدہ انسان کو خدائے وحدہ لاشریک لہ کی عبدیت کا معترف بناتا ہے اس کے بعد وہ کائنات کے ہر ذرہ پر خدا کے حکم سے حکمرانی کرتا ہے اور اس کا سر مظاہر قدرت کے سامنے جھکنے کے بجائے خالق کونین، مالک الملک اور رب العالمین کے دربار میں جھکتا ہے اس کا دل سکون آشنا ہو جاتا ہے اس کا ضمیر روشن، باطن پاک اور نفس متقی بن جاتا ہے اور ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے وہ اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں اسے اشرف المخلوقات کا خطاب عطا ہوتا ہے ۝

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں — کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے

ترقیاتی علوم اور دانش نبویؐ

از جناب ریاض الدین احمد صاحب جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل یو۔پی الٰہ آباد

انبیاء کرامؑ کا علم تکمیلی ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ علم کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝

(۲/البقرہ ۔۱۵۱)

اس طرح کہ تم لوگوں میں ہم نے ایک رسول بھیجا تم ہی میں سے جو ہماری آیات اور احکام پڑھ کر تم کو سناتا ہے اور تمہارا تزکیۂ نفس (اور رفع جہالت) کرتا ہے اور تم کو کتاب الٰہی کا علم عطا کرتا ہے اور حکمت کی باتیں بتاتا ہے اور ایسی مفید باتوں کی تعلیم کرتا ہے جن کی تمہیں خبر نہ تھی۔

معلوم ہوا کہ اگرچہ آپؐ امی تھے۔ مگر علوم میں آپؐ کو درجہ کمال حاصل تھا۔ تمام علمی ترقیات جو قیامت تک وجود میں آئیں گی ان کا منبع آپؐ ہی ہیں اور وہ کتاب معجز نما جو آپؐ کو عطا فرمائی گئی ہے، ہر زمانے میں لوگوں کی علمی صلاحیت اور فکری توانائی کے

مطابق افشائے راز کرتی رہے گی۔ اس کتاب عظیم کے الفاظ اٹل ہیں اور اس کا ایک ایک حرف ناقابل ترمیم و تنسیخ ہے۔ اس کا علم نور ہے اور یہی نور انسان پر نئی نئی راہیں کھولتا ہے اور ظلمت کے بادل چھانٹتا ہے۔ اسی نور کے سائے میں ترقی کی راہیں تلاش کرنا حکمت ہے۔ اس حکمت میں دانش۔ تدبر۔ تدبیر۔ فکر۔ تحقیق۔ معرفت۔ ایجادات عمل صالح وغیرہ سبھی چیزیں شامل ہیں چنانچہ:۔

" قرآن اور سنت کی روشنی میں عقل سے کام لینا حکمت ہے اور عقل کے دائرے میں قرآن اور سنت کو محدود کر دینا اتباع ہوا ہے[1]"

علم نافع حکمت ہی کی پیداوار ہے، حکمت قرآنی کے بغیر علم خسران ہے۔ جس نے نور قرآنی سے بے نیاز ہو کر علم حاصل کیا اس نے فساد کی بنا ڈالی۔ آج کے ترقیاتی علوم اور عروج سائنس نے دنیا کو نئی نئی آگاہیوں سے روشناس کر دیا۔ قدرت کے پوشیدہ رازوں کی عقدہ کشائی کی۔ نئی نئی ایجادات انسان کے لیے مسخر کیں۔ چاند و سورج تک علوم کے خزانے لٹا دیے۔ مگر اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ یہ تمام ترقیات تباہی کا پیش خیمہ ہیں۔ عجب نہیں کہ آخری عالمی جنگ میں ایٹمی توانائی کا استعمال نئی سائنسی تہذیب کو خاکستر کر دے اور یہ عروج ایک افسانہ بن کر رہ جائے تہذیبوں کی تاریخ شاہد ہے کہ ہزاروں تہذیبیں عین حالت عروج میں تباہ ہو گئیں کیونکہ ان کا جوڑ حکمت قرآنی سے نہیں تھا۔ اس لیے قرآن نے زمانے کو گواہ بنا کر اعلان کر دیا کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝

حکمت قرآنی کا عملی نمونہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپؐ کا علم وحی سے

[1] الفاظ القرآن ج ۳ ص ۲۹۵

حاصل ہوا تھا کسبی نہیں تھا۔ آپؐ نے کسی دنیاوی استاد کے سامنے دامن ادب
طے نہیں کیا تھا۔ مگر آپؐ کو اللہ نے علوم کی اعلیٰ ترین منزلوں پر فائز کر دیا تھا۔
آپ کا علم رہتی دنیا تک مشعل راہ اور منزل مقصود بنا رہے گا۔ انسانی تجسس کیلئے
یہ علم حد فاصل اور حد ادب ہے۔ دانش نبویؐ کے آگے انسان مجبور محض ہے۔

اس کے برخلاف دنیاوی علوم کسبی ہیں۔ یہ منزل بہ منزل آگے بڑھتے ہیں۔
انکی دو قسمیں بہ لحاظِ استعمال ہو جاتی ہیں۔ علم نافع اور علم فاسد۔ جو علم ایمان اور حق
کی روشنی میں استعمال کیا جاتا ہے وہ نافع ہے اور جو علم فساد اور تکبر کے سائے میں
پروان چڑھتا ہے وہ فاسد ہے۔ علم نافع انسانیت کی تعمیر اور دنیا کی تطہیر کا حق
تا قیامت ادا کرتا رہے گا۔ علم فاسد عروج و زوال کی منزلیں طے کرتا رہے گا اور
شرافت نفس اور اعمال صالحہ کے لیے ایک بڑا چیلنج بنا رہے گا۔ حالیہ تحقیقاتوں کا ولولہ
ایجادات کا غلغلہ۔ افلاک کی پروازیں۔ بجلیوں پر تصرف آوازیں پر قابو۔ رفتار کی
سرعت اور علم الحساب کا جادو۔ یہ سب نور قرآنی کے بغیر تکبر علمی کا مظہر بن گئے ہیں
اور خسران کے راستے پر چل کر دنیا کو نت نئی بے چینیوں میں مبتلا کر رہے ہیں۔

دراصل انسان کی فکر کے لیے حدیں مقرر اور منزلیں متعین ہیں اور ہر امت
اور ہر زمانے کے لیے عروج و زوال کا وقت ہے۔ لیکن علوم کا عروج دانش نبویؐ
کے پرے کچھ نہیں اور علوم کا منبع قرآن کے سوا کہیں نہیں۔ چودہ سو برس پہلے
جب جدید سائنس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا قرآن سائنسی معلومات سے
بھرا پڑا تھا۔ جدید تفکر علمی کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے قرآن کے
بین السطور پوشیدہ علوم سائنسی کا پتہ لگا لیا۔ فرانسیسی ماہر سائنس موریس

بوکائیلا (Mourice Bucaille) اپنے مقالے "قرآن اور ماڈرن سائنس"
کی تمہید میں تسلیم کرتا ہے کہ

"سائنسی مضامین جس وضاحت سے قرآن میں موجود ہیں ان کو دیکھ کر میرا اولین
تاثر حیرت و استعجاب کا تھا۔ اس وقت تک میرے ذہن میں یہ بات نہیں
آ سکتی تھی کہ ایک کتاب جو تیرہ سو برس پہلے وجود میں آئی ہے ایسے مضامین
پر روشنی ڈال سکتی ہے جو حالیہ تحقیقات کے بعد منظر عام پر آئے ہیں۔"

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علمائے حق نے اس نکتہ کو کیوں نہیں
پہچانا اور افشائے راز کی خدمت منکرین حق کے ہاتھ میں کیوں چلی گئی۔ تو اصل بات
یہ ہے کہ مشیت ایزدی جس سے جو کام لینا چاہے لے سکتی ہے ع

"پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے"

مگر ظاہر بیں آنکھوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ منکرین کے لیے عذاب جہنم کا جواز
اسی میں تھا کہ نظائر، بصائر اور شواہد کھل کر انکے سامنے آ جائیں جو بلا دلیل اللہ کو
ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ سائنسی افکار نے اللہ کی نشانیاں برملا پیش کر دیں
اور عقل و ہوش والوں کے لیے صراط مستقیم کا دروازہ کھول دیا۔ اب بھی جو انکار
کرے اس نے خود جہنم کی زندگی اپنے اوپر مسلط کر لی۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے فکر و تجسس کو افشائے راز کا ذریعہ بنایا ہے اور اپنی آیات
بینات میں ایسی نشانیاں رکھ دی ہیں جو رہنمائے منزل ہیں۔ مگر یہ قید نہیں لگائی کہ
یہ راستہ صرف مومن کے لیے کھلا ہے، مومن ہو یا کافر جو چاہے اس میدان میں
کود سکتا ہے اور نوادر کائنات کی خوشہ چینی کر سکتا ہے۔ دروازہ قاری قرآن کیلئے

بھی کھلا ہے اور غافل قرآن کے لیے بھی۔ مگر ایک کا تجسس تکبر اور مفسدات کی طرف لے جاتا ہے۔ دوسرے کا تجسس صراط مستقیم اور نجات کا ذریعہ بنتا ہے۔ ایک کا تجسس عالم رنگ و بو میں انتشار کی فضا پیدا کرتا ہے۔ دوسرے کا تجسس ایمان اور "تطمئن القلوب" کی ہوائیں چلاتا ہے۔ ایک اعمال کی دنیا میں "یترک سدیٰ" بنا پھرتا ہے اور دوسرا حکمت قرآنی سے جڑا ہوا "خشیۃ اللہ" کا لبادہ اوڑھے ہوئے۔ رحمت کردگار کے دامن میں سر چھپانے کی تمنا رکھتا ہے۔

مفسدات علمی کے لیے حکمت القرآن راہ نجات ہے۔ یہ صحیفہ اپنی خود دلیل ہے۔ چودہ سو برس گذر گئے عرب و عجم کے جادو بیان اس کی جادو بیانی کا مثل نہیں پیدا کر سکے۔ علمائے ادب اور دانشوران شرق و غرب اسکی سلاست اور بلاغت کو نہیں پا سکے۔ ماہرین صوت و نغمہ اس کی حلاوت اور وجدان کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ علمائے سائنس اور محققین کائنات انوار قرآنی کی ڈگر پر چلنے کے لیے مجبور ہو گئے ایک ماہر سائنس کو قرآن کے متن میں پہلے پہل چونکا دینے والی جو چیز نظر آتی ہے وہ ہے سائنسی موضوعات کا تنوع اور کثرت ایسی صحت کے ساتھ کہ موجودہ سائنس اس کی توثیق کرنے پر مجبور ہے۔

ایسا کیوں ؟ اس کی کوئی تاویل ممکن نہیں۔ لاقرآن اٹ لا سائنس (la coran et la se) کا مصنف اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔ "ان مشاہدات کے لیے کوئی دلیل سمجھ میں نہیں آتی کہ عین اس وقت جب شاہ داگوبرت (۶۲۹ - ۶۳۹) فرانس میں حکومت کر رہا ہے جزیرۃ العرب کا ایک باشندہ ایسے سائنسی موضوعات کا علم رکھتا ہے جو ہمارے زمانے سے بھی دس

صدی بعد کے دور سے تعلق رکھتے ہیں"۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ ایک اُمی کے ہاتھ میں ایسا صحیفہ دے دیا گیا جس کا بنیادی موضوع ایمان۔ ایقان اور "خشیۃ اللہ" ہے پھر بھی وہ ایسے علوم کا مخزن ہے جو ہر زمانے کے ترقیاتی حوصلوں کا ساتھ دے سکتا ہے۔ آیئے ان قرآنی موضوعات پر ایک اجمالی نظر ڈالتے چلیں جو جدید ترین سائنس کا دائرۂ فکر ہیں۔

(۱) ارض و سماوات کی تخلیق : تخلیق کے چھ ادوار۔ نظام شمسی۔ کہکشائیں۔ تعدد عالمین کا تصور۔ بین کوکبی مادہ۔

(۲) علم ہیئت : آسمان کے متعلق عام تصورات۔ اجرام سماوی کی نوعیت ستارے اور سیارے۔ آسمان دنیا۔ نظام سماوی۔ چاند اور سورج کے مدار۔ خلاء میں چاند اور سورج کے محرکات۔ آسمانوں کا ارتقا۔ کائنات کا پھیلاؤ۔ خلاء کی تسخیر۔

(۳) زمین : زمین اور سمندر۔ جہازرانی۔ زمین کے نشیب و فراز۔ پہاڑ۔ زمین کا کرۂ باد ارتفاع۔ کرۂ باد میں بجلی۔ آب و ہوا۔ براعظموں کا ٹوٹنا۔ آبی غذائیں پانی کے اندر زندگی۔

(۴) عالم نباتات : عالم نباتات میں توازن۔ غذاؤں کی الگ الگ مقدار۔ عالم نباتات میں افزائش نسل نباتات کا دائرہ حکمرانی۔

(۵) حیوانات : حیوانی زندگی کی ابتدا۔ اور ارتقا۔ عالم حیوانی میں افزائش نسل۔ حیوانی برادری کا وجود۔ شہد کی مکھیاں۔ انکی افادیت۔ مکڑیاں۔ چونٹیاں اور پرندوں کا علم۔ دودھ والے جانور اور انکے اجزائے ترکیبی۔

(۶) انسان : تخلیق آدم، انسان کی افزائش نسل۔ انسانی مشین کا حیرت انگیز کردار

(احسنِ تقویم) باروری کا عمل۔ رقیق مادۂ حیات۔ رقیق مادے کے اجزائے ترکیبی۔ رحم کے اندر جنین کا ارتقا۔

(۷) فنا کا تصور سائنس کی روشنی میں۔ فنا کے منازل وغیرہ

(۸) انعام واکرام۔ تسخیر کی سائنس۔ ہوا کا دائرہ عمل۔ خلار کے حدود۔ کائنات پر انسانی تصرف کے حدود۔ نباتات اور جمادات پہ انسانی تصرف کی شکلیں۔ پانی کا کردار۔ وغیرہ۔

پانی ایک ایسی عام شئے ہے کہ عرصہ دراز تک محققین نے اسکی طرف توجہ نہیں کی۔ جبکہ قرآن میں اس کا ذکر پچاس بار سے زیادہ آیا ہے۔ تخلیق آدم سے لے کر شعوری زندگی کے ہر گوشے میں پانی کا عمل دخل ہے۔ ہمارے اس کرۂ ارض کی ابتدا پانی سے ہوئی۔ انسانی اور حیوانی زندگی پانی سے وجود میں آئی۔ پانی کا ذخیرہ اب بھی خشکی پر حاوی ہے۔ پانی کی تہہ میں زندگی کی ایک عجیب وغریب دنیا بسی ہوئی ہے۔ پانی کے باہر زندگی بغیر پانی کے محال ہے۔ اب سے قبل کسے معلوم تھا کہ پانی بیک وقت رقیق بھی ہے۔ ٹھوس بھی اور گیس بردار بھی۔ اٹمی توانائی اسی پانی کا عطیہ ہے۔ زندہ پانی اور مردہ پانی کی دریافت نے سائنسی دنیا میں ایک ہلچل مچا دی ہے لیکن مگر اب بھی نہیں معلوم کہ پانی کا بنیادی ذخیرہ کہاں ہے کن کن راستوں سے پانی اوپر آتا ہے اور کون کون سی معدنیات اس میں شامل ہیں۔ اور کہیں کہیں اسمیں آتش فشانی مادہ کیوں پایا جاتا ہے۔

Physiolog for Everyone by B.E. Sergeen)d

حقیقتاً اہل فکر کے لیے قرآن خود ایک مجموعہ تحیرات ہے۔ یہ دنیا چودہ سو برس سے کسی دوسرے ایسے ادبی شہپارے کی تلاش میں ہے جو علمیت۔ ادبیت۔ سائنس سوشیالوجی۔ فلسفہ۔ قانون۔ نصائح وامر اور نواہی اور دیگر واردات زندگی پر مہد سے لحد تک۔ زمین سے آسمان تک۔ محدود سے لامحدود تک روشنی ڈال رہا ہو اس طرح کہ نہ روحانیت کا تار ٹوٹے۔ نہ فلسفہ گم شدہ راہ بن جائے۔ نہ تاریخ میں افسانویت ہو۔ نہ شواہد مٹے مٹے ہوں۔ نہ بینات پردے میں ہوں۔ نہ اخلاق کی حدیں مجروح ہوں۔ نہ سائنس کے راستے مسدود ہوں۔ انبیائے کرامؑ کو جو صحیفے دیے گئے (قرآن جس میں حرف آخر ہے)، انکی جامعیت تک پہونچنا بشری صلاحیت سے باہر ہے۔ اس کے علاوہ قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جس کی تازگی کسی غیر مخصوص سے تعلق نہیں رکھتی۔ ہر زمانہ اسے اپنی علوئے فکری سے بالاتر پاتا ہے۔ ہر دور کی سائنس اسے اپنی عقدہ کشائیوں کا پیش رو پاتی ہے۔ ہر زمانہ کی ادبی کاوشیں قرآن پاک کی ادبیت سے نیچے نیچے رینگتی نظر آتی ہیں۔

قرآن مجید دنیا کی وہ واحد کتاب ہے۔ جس کے بلا تحریف ہونے کے دلائل عصر بہ عصر بڑھتے جا رہے ہیں۔ نزول قرآن پر صدیاں گذر گئیں مگر تحریف قرآن کا دعویٰ کوئی ثابت نہیں کر سکا۔ علوم کی گہرائیاں بڑھتی گئیں۔ قرآن کی صداقت ابھرتی گئی۔ رفتہ رفتہ ایقان کی جگہ دلائل نے لے لی مگر آج تک کوئی دلیل قرآن کے ایک حرف کو بھی ہلا نہیں سکی۔ پندرہویں صدی میں سائنس کا عمل دخل ہوا تو قرآنی حقایق اور بھی چمک اٹھے۔ عصر حاضر میں موریس بوکائیے نے دلائل شواہد اور قرائن کو اکٹھا کر کے قرآن کے بلا تحریف ہونے کا اعلان کیا۔ ڈاکٹر راشد خلیفہ

اور بھی آگے بڑھے انھوں نے جدید تکنیکی ذرائع کا استعمال کر کے کمپیوٹر کی مدد سے یہ ثابت کر دیا کہ جدید ترین ذرائع معلومات بھی قرآن کی حرف بہ حرف صداقت کی تصدیق کر رہے ہیں

نیز احمد ویدات نے ۱۹ رکو ایک بنیادی ہندسہ مان کر یہ ثابت کیا کہ قرآن کا ایک ایک لفظ علم الحساب کی ڈوری میں بندھا ہوا ہے۔ لاکھوں الفاظ اور حروف کا اس طرح پیوند در پیوند ہونا کسی بشر یا مشین یا کمپیوٹر کا کارنامہ نہیں ہو سکتا۔ ان جدید ترین تحقیقات کی بنا پر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہر ترقی کے دور میں ترقیاتی علوم کا پیش رو قرآن ہی رہے گا۔

اسی طرح ترقیاتی علوم دانش نبویؐ کی سرحدیں کبھی پار نہیں کر سکیں گے۔ یہ زمانہ سرعت رفتار اور دوربینی کا ہے۔ انسان چاند کی سرزمین پر قدم رکھ چکا ہے اور امریکی فضائی طیارہ پائنیر ۱۰ معلوم سیاروں کے حدود سے باہر ۶,۷۰۰ ملین کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے نظام شمسی کی سرحدوں میں داخل ہونے کی کوشش میں لگا ہوا ہے (U.S.I.S. Science Journal) اس حیرت انگیز سرعت رفتار کے مقابلہ میں رسول پاکؐ کا سفر معراج یاد کیجئے۔ آپؐ ساتوں آسمان کا سفر کر کے واپس تشریف لے آئے اس حال میں کہ زنجیر ہلتی رہی اور بستر کی گرمی زائل نہیں ہوئی۔ نہ سپر سانک (Super Sonic) کا استعمال ہوا۔ نہ راکٹ داغے گئے نہ خلائے بسیط میں چکر لگانے کی ضرورت ہوئی۔ انسانی کوششیں پرواز کے ان مدارج کو چھو بھی نہیں سکتیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادو کے علم سے نوازا گیا اور انہیں اس پایہ پر

پہونچایا گیا کہ "سَاحِرٌ عَلِیْمٌ" پر غالب آ گئے۔ سحار علیم تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جادو ایک علم ہے اور اس میں بطور ایک علم (سائنس) کے ابھرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ مگر انسانی صلاحیتیں حضرت موسیٰؑ کے درجے کو نہیں پہونچ سکتیں۔ اس زمانے میں جادو کا استعمال بطور ایک تفریحی علم کے ہو رہا ہے۔ جادو کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مگر ان میں فرار کا جادو (Escape Majic) اور دماغ کا جادو (Mentalist Magic) خاص اہمیت رکھتے ہیں (ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا۔ جلد۔ ۱۲) حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیر خواب کی اس مہارت سے نوازا گیا تھا جس کا ثانی ابھی تک دنیا میں نہیں پیدا ہوا۔ آپ عزیز مصر کی جیل میں تھے تو قیدیوں کے خواب کی تعبیر بتا دیا کرتے تھے (پارہ ۱۲/یوسف آیۃ ۳۶) یہ علم ان علوم میں سے تھا جو ان کے رب نے انہیں خاص طور پر عطا فرمایا تھا۔ (۱۲/یوسف ۳۷) تاکہ دنیا کے تمام گم کردہ راہ انسانوں پر اللہ کی عظمت اور اس کی وحدانیت کا سکہ جما دیں اور ان کو ہزاروں آقاؤں کی بندگی سے آزاد کرا کے صرف ایک اللہ کی فرماں روائی میں داخل کر دیں (۱۲/یوسف ۳۸-۳۹) اس نعمت کے لیے بطور شکر آپ نے فرمایا "اے میرے پروردگار آپ نے مجھ کو سلطنت کا بڑا حصہ دیا اور مجھ کو خوابوں کی تعبیر دینا تعلیم فرمایا (جو کہ علم عظیم ہے) ۱۲/(۱۲)۱۰۱ حضرت یوسفؑ کے بعد تعبیر خواب کے علم نے بطور ایک سائنس کے ترقی نہیں کی۔ یہاں تک کہ ۱۸۹۰ء کے آس پاس آسٹرین ماہر جسمانیات فرائڈ (Freud) نے دعویٰ کیا ہے کہ خواب کی تعبیریں معلوم کرنے کے لیے سائنسی ذرائع استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ فرائڈ کا خیال تھا کہ خواب انسانی خواہشات کے تکملے کا مظہر ہوتے ہیں

اس روشنی میں خواب کی زبان پڑھی جاسکتی ہے۔ مگر ۱۹۷۷ء میں ہارورڈ یونیورسٹی کے دو ماہرین سائنس رابرٹ مک کارلے (Robert Mc carley) اور الن ہابسن (Allen Hobsan) نے یہ بیان دیا کہ خواب محرکات جسمانی کی ایک شکل ہے اور ماہرین نفسیات اس سے صحیح نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں۔ (ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا جلد ۵) مگر ابھی تک سائنس کسی واضح نتیجے پر نہیں پہنچ سکی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو بولیوں کا علم عطا کیا گیا۔ وہ جنوں پرندوں اور حشرات الارض سے ہم کلام ہوسکتے تھے (پارہ ۲۰/النمل آیۃ ۱۵-۱۶-۱۷) اور ان کی حکمرانی میں سرعت رفتار کمال پر تھی اور یہ سب کچھ عطیہ تھا "مِن فَضلِ رَبّی" آپ نے ہدہد سے باتیں کیں اور چیونٹیوں کی گفتگو سنی۔ عفریت جو ایک جن تھا ملکہ سبا کا تخت آنکھ جھپکتے میں اٹھا لایا (۲۰/النمل ۳۹) خلائی سائنس سے قبل قصہ سلیمان ایک افسانہ معلوم ہوتا تھا۔ مگر آج جب ایک گرتے ہوئے خلائی راکٹ کو جو زمین کے گرد ½۱۰ لاکھ کیلومیٹر سفر طے کرچکا تھا ایک ۱۲ میٹر لمبے مصنوعی ہاتھ نے منٹوں میں کھینچ کر فضائی تباہ کاری سے بچا لیا۔ (خلیج ٹائمس مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۹۱ء) تو انبیاء کرام کی عظمت علمی پر یقین کرنا پڑتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کا علم خلائی سائنسدانوں سے آگے تھا کیونکہ ان کی پرواز آلات کی محتاج نہیں تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام علوم طبیہ کی اس اونچائی تک پہونچا دیے گئے کہ وہ بحکم رب العالمین مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرتے تھے اور مردوں کو زندہ کرتے تھے (المائدہ ۱۱۰) موجودہ میڈیکل سائنس اس عروج تک نہیں پہنچ سکی ہے۔

دنیاوی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے بھی بنیادی علوم سے انبیاء کرام کو

نوازا گیا۔ یہاں ہم صرف دو مثالیں پیش کردینا کافی سمجھتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے پگھلی ہوئی دھاتوں کا چشمہ جاری کردیا (پارہ ۲۲/سبا ۱۲) اس چشمے کا خزانہ کہاں تھا؟ حالیہ دریافت سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کی اوپری سطح سے تقریباً ۳۰ کیلومیٹر نیچے ایک دوسری سطح تقریباً تین ہزار (۳۰۰۰) کیلومیٹر دبیز ہے۔ اس کی چٹان سلی کون (Silicon) آکسیجن (oxygen) ایلومونیم (aluminum) لوہا (iron) اور مگنیشیم (Magnesum) سے بنی ہوئی ہے۔ تیسری سطح تقریباً دو ہزار دو سو پچاس (۲۲۵۰) کیلومیٹر دبیز ہے یہ پگھلے ہوئے لوہے اور نکل (Nickel) سے بنی ہوئی ہے۔ چوتھی سطح جو تقریباً ایک ہزار تین سو (۱۳۰۰) کیلومیٹر دبیز ہے۔ ٹھوس لوہے اور نکل پر مشتمل ہے (ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا جلد ۶ صفحہ ۱۴-۱۵) کبھی کبھی یہ دھاتیں لاوا کی شکل میں ابل پڑتی ہیں۔ مگر چشمے کی شکل میں نمودار ہونا باعث برکت ہے اور لاوا کا پھوٹ پڑنا باعث زحمت۔

حضرت داؤدؑ کو لوہے کے استعمال کا طریقہ بتایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے لوہے کو ان کے لیے نرم کردیا (پارہ ۲۲/سبا ۱۰) اگر لوہے کو نرم کرنے کی ترکیب نہ معلوم ہوتی تو دنیا ایک بڑی نعمت کے استعمال سے محروم ہوجاتی اور لوہے کا کثیر خزانہ جو زمین کی تہہ میں موجود ہے اس پر کوئی رہنمائی نہ ملتی۔ حضرت داؤدؑ کو لحن و نغمہ میں بھی ید طولیٰ عطا کیا گیا۔ شاید اسی لیے پہاڑ اور طیور کو حکم دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ مل کر تسبیح کریں۔ ان کی نغمگیں آواز کا ثبوت اس حدیث سے ملتا ہے جو رسول اللہؐ نے حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کے لحن قرآنی کے بارے میں فرمائی تھی۔ لقد اوتی مزماراً من مزامیر آل داؤد (اس شخص کو داؤد کی خوش الحانی کا حصہ ملا ہے)

مگر یاد رہے کہ خوش الحانی کا صحیح استعمال تسبیح ہے نہ کہ تفریح۔

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام کا علم کمالی ہے۔ اس کے عروج کو زوال نہیں۔ جبکہ انسانی تہذیب عروج و زوال کے دائرے میں سفر کرتی ہے۔ فلاسفہ۔ ماہرین تاریخ۔ سائنس اور آثار قدیمہ نے عروج و زوال کے بہت سے اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔ جرمن فلسفی اسپنگلر (Spengler) زوال کو عروج کا ایک فطری تواردقرار دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے انسانی زندگی کے لیے موت ہے اس نے پیش گوئی کی ہے کہ مغربی تہذیب زوال کے دہانے پر آلگی ہے (زوال مغرب (Decline of the west) برطانوی مورخ ٹوائن بی (Toynbee) تاریخ کی روشنی میں دعویٰ کرتا ہے جب لوگ عصری تقاضوں سے بے نیاز ہو کر اپنی افادیت کھو دیتے ہیں تو تہذیب کا زوال ہو جاتا ہے۔ آثار قدیمہ کے ماہرین متفق ہیں کہ ماحول سے بے رخی تہذیبوں کو مٹا دیتی ہے، سائنس کا خیال ہے کہ قدرتی سامان معیشت کے غلط استعمال سے تہذیب کو زوال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حالتیں جو مختلف ماہرین نے پیش کی ہیں فساد فی الارض کی مختلف شکلیں ہیں۔ انکے متعلق قرآن عظیم کا ایک ابدی اور حتمی تجزیہ ہے کہ تکبر علمی اور بداعمالیوں کی کثرت کی وجہ سے انسان خود اپنے اوپر تباہی مسلط کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ایسی دنیاوی سزاؤں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے جو تہذیبوں کے عروج کو زوال میں تبدیل کر دیتی ہیں ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ٥ (۲۱/ الروم - ۴۱) خشکی

اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا۔ شاید کہ وہ باز آجائیں) حالیہ ماہرین سائنس بھی انسانی بدکرداریوں کو ارضی تغیرات کا محرک سمجھنے کی طرف گریز کر رہے ہیں۔

ہاروے ڈے (Harvey Day) اپنی کتاب "اہتزاز کی پوشیدہ طاقتیں" (Hidden Powers of vibration) میں دعویٰ کرتا ہے کہ "جب دنیا میں بہت زیادہ برائیاں پھیل جاتی ہیں، تو زمین کا ہالہ (Aura) مکدر ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے طغیانیاں۔ زلزلے اور لاوے کی شکل میں زمین سے اخراج دھماکے۔ حد درجہ گرمی اور سردی ظہور پذیر ہوتے ہیں[1]۔ یہ حالتیں ترقیات کا گلا گھونٹ دیتی ہیں اور تہذیبیں زمین دوز ہو جاتی ہیں۔

اگرچہ اس سائنسی دعوے کی توثیق ابھی وقت کا انتظار کر رہی ہے۔ مگر حکمت قرآنی گویا ہو چکی ہے "لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ" اس کا جواز مشیت ایزدی کے علاوہ ابتذال کردار انسانی میں ملتا ہے۔ ابتذال کی وجہ سے دنیاوی سزائیں ہیں اور سزاؤں کے بعد ملیامیٹ۔ ترقیاتی کاروبار اتھل پتھل اور تہذیبیں الٹ پلٹ۔ سزاؤں کی ایک فہرست قرآن میں ملتی ہے۔ (۱) فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا (پھر ہم نے کسی پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی) (۲) وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ (اور کسی کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا) (۳) وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ (اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا) (۴) وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا (اور کسی کو غرق کر دیا) (۲۰) العنکبوت - ۴۰) سزائیں تہذیبی انقلاب کی پیش رو ہیں۔

---

[1] بحوالہ ڈاکٹر منیر حسن۔ قرآن مجید میں سائنسی ترقی کے تذکرے۔ بشکریہ فاران مارچ ۱۹۸۹ء

اور سزاؤں کا دوام (Perpetuation) تہذیبوں کے لیے دعوت اجل ہے۔

آخر کلام یہ ہے کہ (۱) ترقیاتی علوم کا سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ مگر ترقی کی آخری حد دانش نبویؐ ہے (۲) حکمت قرآنی کے بغیر ترقیاتی علوم ترقی معکوس ہیں (۳) ترقیاتی علوم کا غیر معتدل استعمال فساد کی جڑ ہے (۴) اعتدال کی راہ قرآن سے ملتی ہے (۵) فساد فی الارض کے لیے عذاب فی الارض اور عذاب فی الآخرہ ہے (۶) عذاب انسانی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کا فطری نتیجہ ہے (۷) نظام فطرت میں عذاب ایک خود کار کیفیت ہے (۸) اس کیفیت کا ظہور تہذیبوں کے لیے پیمانۂ اجل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ترقی دعوت انتشار ہے۔ ترقی "تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ ترقی تہذیبوں کے لیے شاہراہ اجل ہے۔ الا یہ کہ ان کی بنیاد حکمت القرآن پر ہو اور اس کا عمل درآمد سنت رسولؐ کا تابع ہو۔

مصر کے مشہور ادیب و صحافی احمد حسن الزیات

از جناب ابو سفیان اصلاحی شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

(۲)

"ادب اللذت" سے ان کی مراد وہ ادب ہے جسے فرانسیسی (La-delectation literature) کا نام دیتے ہیں۔ اس قسم کے ادب سے حلاوت و لذت تو ملتی ہے لیکن اس کا کوئی تعمیری پہلو نہیں ہوتا۔ یہ ادب خوشگوار لیکن روحانیت سے خالی ہے۔ یہ صرف تضیع اوقات کا ذریعہ ہے اس سے نہ قوم میں بیداری آسکتی ہے اور نہ اس طرح کے غیر تعمیری ادب سے لوگوں کو روحانی سکون مل سکتا ہے۔[1]

اس وقت غیر مفید ادب کے دام تزویر میں مصری قارئین گم ہیں اور سطحی اور عامیانہ لٹریچر کے شیدائی ہو گئے ہیں۔ اس وبا اور بیماری کا علاج چیخ و پکار نہیں ہے بلکہ انداز فکر کی تبدیلی نصاب تعلیم کی اصلاح استاذ کی تربیت ہے، درس و تدریس میں گہرائی اور مطالعہ کا خوگر بننے ہی سے اس کا علاج ہو سکتا ہے۔[2] غرض ادب اللذۃ سے معاشرہ کے اندر برائیاں پروان چڑھتی ہیں اور لوگوں میں بے راہ روی عام ہوتی ہے۔ زیات ادب المجون (غیر سنجیدہ ادب) کا تعلق زندگی

[1] وحی الرسالہ ۳/۲۱۶-۲۱۷ [2] ایضاً ۳/۲۱۷۔

کی تمام چیزوں سے بتاتے ہیں۔ دراصل انسانی زندگی مختلف و متضاد اشیاء کا مجموعہ ہے۔ یہ شرم و حیا، بے حیائی و بے غیرتی، صلاح و پاکیزگی، فسق و فجور، بغض و عناد، محبت و الفت، امن و سکون اور خلفشار و بے اطمینانی جیسی متضاد صفات سے عبارت ہے۔ شاعر و مصنف اور مصور کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ان مختلف امیال و عواطف کی تصویر کشی کرے۔ البتہ جذبات کی سچی تعبیر کا نام فن ہے۔ ادب المجون دنیا کے تمام ادبیات میں موجود ہے۔ عربی ادب میں یہ اس وقت سے موجود ہے جب سے عربوں نے شاعری کا آغاز کیا۔ امراء القیس، نابغہ، بشار، ابن ابی ربیعہ ابونواس، ابن ایاس، ابن سکرہ، ابن حجاز اور بعد کے شعراء میں حافظ الرصافی (...) امام العبد اور الہرادی کے یہاں یہ صنف ادب موجود ہے، ان شعراء نے "ادب المجون" کو عام لوگوں کے بجائے صرف اپنے لیے کہا۔ وہ اپنی باتوں کو رازدارانہ انداز میں کہہ کر لطف اندوز ہوئے اور ان کو بر سر عام بیان کرنے سے اجتناب کیا۔ اسے عام مجلسوں میں نقل کرنے کے بجائے اپنی مخصوص محفلوں تک محدود رکھا۔ حیا فطرت انسانی کا خاص جوہر ہے چنانچہ حضرت آدمؑ و حواؑ نے حیا کی وجہ سے ہی اپنے اجسام کو اوراق جنت سے چھپایا۔ انہیں اس کا علم تھا کہ جسم کے بہت سے اعضاء ستر عورت کے درجے میں ہیں جن کی نمائش مناسب نہیں۔ جب شعراء کو خدا نے ہدایت دی اور اسلام نے انہیں علم و تہذیب سے آشنا کیا تو انہیں بھی یہ معلوم ہوا کہ بہت سے افکار و خیالات بھی ستر عورت کے مثل ہیں۔ ان کی اشاعت اور نمود و نمائش جائز نہیں ہے۔ گو خلوت میں ان کے اظہار کی آزادی ہے۔ لیکن دین، قانون اور معاشرے کے اصول و ضوابط کی وجہ سے

انہوں نے ان کو منظر عام پر لانے سے گریز کیا اور انسانیت اور معاشرے کی بھلائی کے خیال سے ان کی تصویر کشی پسند نہیں کی۔[1]

"ادب مجون" کا تعلق ضمیر اور دین سے ہے اس لیے اس میں ہر موقع پر عام لوگوں کی رعایت ضروری ہے، الزیات نے واضح الفاظ میں ادب مجون کی یہ خصوصیت بتائی ہے کہ ہر چیز کو بر ملا اور علی الاعلان کہنے کا استحقاق ادبا و شعراء کو نہیں۔ موقع و محل کی نزاکت لازمی ہے۔ بشار نے جب اپنے بعض اشعار میں انسانی شرافت کا پاس و لحاظ نہیں رکھا تو عوام اس کی جان کے پیچھے پڑ گئے، تاکہ انسانی عظمت و کرامت محفوظ رہے اور پردہ نشیں مستورات کی عزت و حرمت پر آنچ نہ آئے۔ مالک بن دینار نے بشار کی ضلالت کا اظہار ان لفظوں میں کیا۔

ما شیٔ ادعی لاھل ھذہ المدینۃ الی الفسق من اشعار ھذا الاعمی الملحد ترجمہ: اس اندھے ملحد کے اشعار سے بڑھ کر کوئی چیز اس شہر والوں کیلئے موجب فسق و فجور نہیں۔ جب بشار کی شوخی اور غیر سنجیدگی حد سے تجاوز کر گئی تو خلیفہ مہدی نے یہ حکم صادر کیا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔[2]

ادب لذت اور ادب مجون میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ادب لذت میں لطف اندوزی کے لیے تمام بندشوں کو توڑ دیا جاتا ہے۔ مذہب، قانون اور معاشرہ کی گرفت سے ادباء و شعراء خود کو آزاد تصور کرتے ہیں اور ادب مجون میں فطرت و کائنات کی تمام چیزیں ہوتی ہیں، لیکن ادب مجون کا علمبردار ادیب معاشرے کی قدروں، مذہب کی نزاکتوں اور قوانین کی حکمتوں کو مدنظر رکھتے

---

[1] وحی الرسالہ ۳/۲۱۹ [2] ایضاً۔

ہوئے کچھ کہنے اور کرنے کی جرات نہیں کرتا ہے۔

معاشرتی مقالات ادبی مقالات کے بعد معاشرتی مقالات پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہیے۔ الزیات مصری معاشرہ کی کئی پہلوؤں سے اصلاحات کے خواہاں تھے ایک تو ازہر کو اس قابل بنانا چاہتے تھے کہ مصری قیادت اس کے ہاتھوں میں آسکے دوسرے عربوں کے اتحاد کو مستحکم کرنا چاہتے تھے اور تیسرے عربی زبان کو مصر اور بلاد عربیہ میں سرکاری حیثیت سے نافذ کروانا چاہتے تھے۔ وہ عربی زبان کو دوسری زبانوں کے مقابلے میں اعلیٰ خیال کرتے تھے۔

الزیات مقالہ "رسالۃ الازہر" میں رقمطراز ہیں کہ مصر کے اندر ازہر کو ہمیشہ قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا گیا۔ زبان، مذہب اور رشد و ہدایت کا اسے منبع تصور کیا گیا لیکن افسوس کہ ازہر اپنی ذمہ داریوں کو نباہنے سے قاصر رہا۔ اللہ تعالیٰ نے تاریخی حیثیت سے ازہر کو نمایاں مقام عطا کیا۔ اسے بہت سی سہولتیں میسر ہیں، مالیات کا اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تبلیغ دین پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ امت مسلمہ کے رخ کو بآسانی تبدیل کر سکتا ہے اور دینی عقائد میں پیدا ہو جانے والی خرافات اور خرابیوں کو ختم کر سکتا ہے[1]۔ ازہر کی عزت تمام مصریوں کے دلوں میں ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے ازہر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن افسوس کہ مصری معاشرہ کو اس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے۔ اس بنا پر وہ اس کے مندرجہ ذیل فرائض بتاتے ہیں۔

۱- اسلام میں جو غلط عقائد داخل کر لیے گئے ہیں انہیں نکالا جائے اور یہ

---

[1] وحی الرسالہ ۳۰/۲۔

اس وقت ممکن ہے جبکہ قرآن مجید کی صحیح تفسیر روایات و احادیث، سلف صالحین کے اقوال اور ائمہ اعلام کی مستند آراء سے کی جائے۔ صحاح ستہ سے حدیث کا ایک مستند اور جامع مجموعہ مرتب کیا جائے۔ اس کی تشریح و تبویب کے لیے علم تاریخ، فلسفہ، اخلاقیات اور معاشرتی علوم سے مدد لی جائے۔ اس کے بعد فقہ کی ایک ایسی جامع کتاب تیار کی جائے جو مذاہب حقہ پر مبنی اور قانونی درجہ رکھتی ہو۔ پھر اس کی ایسی شرح کی جائے جو قانون کے تمام اصول و فروع کا احاطہ کر لے۔ ان کتابوں کو نصاب میں داخل کر دیا جائے اور انہیں قانون کا مرجع قرار دیا جائے۔ انہی سے فتاوے صادر کیے جائیں۔ یہ کتابیں پہلے ازہر میں داخل کی جائیں اس کے بعد عوام تک لائی جائیں اور اس کے بعد ان کا مشرق و مغرب کی بیشتر زبانوں میں ترجمہ کر کے انہیں اسلامی و غیر اسلامی ممالک میں پھیلایا جائے۔ میوزیم میں آثار قدیمہ کی حفاظت کی طرح ان سب کتابوں کو لائبریریوں میں رکھا جائے تاکہ محققین انہیں پڑھ سکیں اور جس طرح امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ نے تمام مصحف کی جگہ صرف اپنے عہد میں تیار کردہ مصحف کو ملت اسلامیہ میں رائج کیا تھا۔ اسی طرح ان کو بھی رائج کیا جائے[1]۔

۲- دوسرا کام ازہر کا یہ ہے کہ اشاعت اسلام کے لیے ایسے مبلغین تیار کرے جو صاحب زبان، صاحب کردار اور صاحب تقویٰ ہوں۔ یہ بھی کوشش ہو کہ وہ جدید تہذیب اور زندہ زبانوں سے آشنا ہو جائیں۔ مہبط وحی اور عرب ممالک کے علاوہ انہیں دوسرے ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے پاس بھیجا جائے ازہر اسلامی وفود کی تشکیل و تیاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔

---

[1] وحی الرسالہ ۳۱/۲۔

۳۔ ازہر کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ عربی زبان کو دنیا کے تمام مسلمانوں کی قومی زبان بنانے کے لیے جدوجہد کرے۔ روے زمین پر بسنے والے مسلمانوں کی دو زبانیں ہوں۔ ایک وطن اکبر کی زبان اور دوسرے وطن اصغر کی زبان۔ اس کے لیے ازہر دنیا کے تمام مسلمانوں کو عربی زبان سکھانے کے لیے معلمین تیار کر کے بھیجے۔[1]

ان تینوں چیزوں سے الزیات کے بلند فکر کا اندازہ ہو سکتا ہے اگر ازہر مذکورہ تینوں خطوط پر گامزن ہوتا تو اب تک دنیا کی بیشتر آبادی آغوش اسلام میں آچکی ہوتی۔ ان کے ان بیانات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ مذہب اسلام کے تئیں کس درجہ مخلص اور اشاعتِ اسلام کے لیے کس قدر فکرمند رہتے تھے۔

احمد حسن الزیات نے مقالہ "حل سم لمشکلۃ الازھر" میں بھی ازہر کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ اسے نت نئی تبدیلیوں کا حل تلاش کرنے کے لیے جدید عصری تقاضوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اسلام ایک آفاقی اور دائمی مذہب ہے۔

انھوں نے ازہر کی غرض وغایت یہ بتائی ہے کہ وہ لوگوں کے اندر دینی بصیرت پیدا کرے۔ تمام علوم کا مرجع دین کو قرار دیا جائے۔ تفہیم دین کے لیے زبان سیکھی جائے اور مختلف فنون میں مہارت حاصل کی جائے۔ دین اور عربی زبان کو اپنے وجود کی شناخت بنائے۔ اشاعت اسلام اور تدریسی زبان کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کرے مذہب اسلام حالات کی نزاکتوں اور تقاضوں سے صرف نظر نہیں کرتا۔ نئے علوم کا خیر مقدم کر کے زمانے کے دوش بدوش چلتا ہے تاکہ پیش آمدہ مسائل کے حل نکالے۔

---

[1] وحی الرسالہ ۳/ ۳۲۔

عربوں کو بھی نئے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اقوام عالم سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔ اس وقت موجود مسلمانوں اور عربوں کو سخت حالات کا سامنا ہے، خلافت عثمانیہ گردش روزگار کی نذر ہوگئی۔ مسلمانوں نے اسلام کی لچک کی صلاحیت سے غافل ہو کر اجتہاد کے دروازے بند کر دیے۔ اس لیے مغرب میں علم کا بول بالا ہوا اور وہ مسلمانوں سے آگے نکل گیا۔ مسلمانوں پر جمود و تعطل طاری ہو گیا۔ مصری یورپ کے دست نگر ہو گئے اور وہ اب یورپ سے ان چیزوں کو لینے لگے جن چیزوں کے حصول کے لیے یورپ کل تک خود ان کا محتاج تھا۔ یورپ میں تعلیم کی ترقی ہوئی لیکن ازہر کے اندر کوئی حرکت نہیں آئی۔ ہر طرف سے اس پر یلغار ہوئی لیکن وہ خواب گراں سے بیدار نہیں ہوا۔ لوگوں کا ازہر سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ انکے لیے عالم دین اور قائد ملت پیدا کرے لیکن ان کاموں کی طرف اس نے کوئی پیش رفت نہیں کی۔ ان حالات سے تنگ آکر حکومت نے زبان کی تدریس وتعلیم کے لیے "دارالعلوم" کو قائم کیا۔ قانون کے لیے "مدرسۃ القضاۃ" کی بنیاد ڈالی اور ازہر کو صرف ایک میوزیم کا درجہ دے دیا گیا۔ جس میں بوسیدہ کتابیں اور فرسودہ خیالات عجائب کے طور پر محفوظ کر لیے گئے۔[1]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ الزیات کو ازہر سے کس قدر لگاؤ اور اس کے فرسودہ نظام سے کتنا دکھ تھا۔ دراصل وہ ازہر کو نئی تہذیب، نئے افق اور جدید تعلیم سے آشنا کرنا چاہتے تھے لیکن افسوس کہ ازہری شیوخ اپنے خول سے باہر نہ آئے اور وہ زبان کے ارتقا اور قوم کی سیادت سے بے پرواہ رہے۔

---

[1] وحی الرسالہ ۳/ ۶۸ - ۶۹۔

ازہر کے سلسلے میں ان کے دو مقالات "اصلاح الازہر"[1] اور "الازہر بین الماضی والحاضر"، بھی اہم ہیں[2]۔ ازہر کی اصلاح کے سلسلے میں بے شمار مقالات تحریر کیے گئے، اس بارے میں جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ دونوں نے ازہر میں کی گئی اپنی تقریروں سے ازہری شیوخ اور اس کے ذمہ داروں اور طلبا کے اندر ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔

معاشرتی اصلاح سے متعلق الزیات کا ایک نہایت اہم مقالہ "الجامعۃ الاسلامیۃ" ہے، وہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو جسد واحد کے مانند تصور کرتے تھے اور ان سب کے لیے فکرمند اور بے قرار رہتے تھے، انہیں ایک لڑی میں پرونا چاہتے تھے اور اسلامی وحدت کو وقت کا اہم تقاضا اور مسلمانوں کی بیداری کو ضروری بتاتے تھے۔ انہیں اس کا قلق ہے کہ عرب ممالک کا اتحاد پارہ پارہ ہو چکا ہے، جب کہ اس وقت اس کی شدید ضرورت ہے ان کے نزدیک صرف اسلام ہی دنیا کی موجودہ تباہیوں اور پریشانیوں کو دور کر سکتا ہے اور اسے امن و امان دے سکتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس وقت دنیا انتشار انارکیت اور لاقانونیت کا شکار ہے۔ ان حالات میں وحدت اسلامی کا نعرہ بہت کامیاب ہوگا۔ جس کو حاصل کرنے کے لیے مکمل جد و جہد ضروری ہے وہ اسلامی وحدت کے تصور کا سرچشمہ قرآن کو بتاتے ہیں کیونکہ ارشاد ربانی ہے "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ" اسی اسلامی وحدت کا مظاہرہ حج میں ہوتا ہے، بس نظام الٰہی کو باہمی محبت، مساوات اور تعاون علی الخیر سے ہی فروغ مل سکتا ہے۔ مذہب اسلام ہی طبقہ داریت اور رنگ و نسل کے امتیازات

[1] وحی الرسالہ ۳/ ۷۳ - ۷۰　[2] ایضاً ۳/ ۲۹۴ - ۲۹۷

ختم کر سکتا ہے[1]

وہ زبان و وطن کے نام پر وحدت اسلامی کو ختم کرنے کی کوششوں کی مذمت کرتے ہیں اور یورپ کے اس پروپگنڈا کو جھوٹا ثابت کرتے ہیں کہ وحدت اسلامی کے تصور میں تعصب اور تنگ نظری کار فرما ہے۔ ان کے نزدیک اسلامی وحدت نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ پوری دنیا کے لیے ایک عظیم دولت اور نعمت ہے جو دنیا میں پھیلی تاریکی اور بربریت کا واحد حل بھی ہے۔

الزیات اسلام، عرب قومیت اور اسلامی وحدت کی طرح عربی زبان کی قدر و منزلت سے بھی پوری طرح آگاہ تھے۔ اپنے مقالہ "العربیۃ جزء من حقیقۃ الاسلام" میں رقمطراز ہیں کہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عربی زبان اسلام کا ایک اہم جزء ہے۔ عربی زبان وحی الٰہی کی ترجمان، کتاب مقدس کی زبان اور رسول خدا کا معجزہ نیز آپ کی تبلیغی زبان رہی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال سے اس زبان کو مزید زینت بخشی۔ اشاعت اسلام کے ساتھ عربی زبان کی بھی اشاعت ہوئی۔ تحفظ قرآن نے اسے دوام بخشا۔ یہ عرب نیز ملت اسلامیہ کی مقدس زبان ہے، اس زبان کو سیکھ کر اسلام کی اساس تک پہنچا جا سکتا ہے اور یہ اسلامی وحدت پیدا کرنے میں بھی ممد و معاون ہو سکتی ہے ان تمام وجوہ سے وہ عربی زبان کے تحفظ کیلئے ہر ممکن کوشش کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

دینی مقالات | اوپر زیات کے جن ادبی اور معاشرتی مقالات پر بحث کی گئی ہے ان سب میں بھی دینی عنصر نمایاں ہے، وہ جس موضوع پر بھی اظہار خیال کرتے ہیں اس میں قرآن و حدیث ہی سے دلائل پیش کرتے ہیں، اس کی مزید وضاحت

[1] وحی الرسالہ ۳/ ۲۴۸ - ۲۴۹۔

کے لیے ہم ان کے دینی مقالات پر علیحدہ بحث کرتے ہیں۔

الزیات کا ایک مقالہ "القرآن والدستور" ہے اس میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ قرآن ایک ایسا مکمل ضابطہ حیات ہے جس کے سامنے دنیا کے تمام ضوابط و قوانین کھوکھلے ہیں۔ جو لوگ قرآن کو مہلک مجموعہ قرار دیتے ہیں وہ ان کی عقل و دانش پر ماتم کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر ان خطرات و اندیشوں کو ظاہر کرنے والے اہل ایمان میں سے ہیں تو انہیں یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ یہ الہامی کتاب ہے جو اب تک نہ تو منسوخ ہوئی اور نہ ہی اس میں ذرہ برابر کوئی تبدیلی ہوئی۔ چودہ سو سال سے محفوظ و مامون منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ آج تک اس الہامی کتاب سے بہتر یا اس جیسی کوئی کتاب ظہور پذیر نہیں ہوئی۔ اگر قرآن پر الزامات تھوپنے والوں کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو اسے الہامی کے بجائے انسانی کتاب مانتے ہیں تو آخر وہ اس سے خائف کیوں ہیں، انہیں کم از کم ایک بار تجربتاً اس کتاب کے قوانین کا نفاذ کرکے دیکھنا چاہیے۔ یہ لوگ اگر تاریخ پر نظر ڈالیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ بعثت رسول ؐ سے قبل دنیا کا حال کس قدر ابتر تھا مگر قرآن نے آکر دنیا کو ہلاکت سے بچایا اور انسانوں کو صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ دنیا کے سامنے ایک خوشگوار زندگی کا نقشہ پیش کیا اور اس تاریک دور میں قرآن نے عدل و مساوات کا چلن عام کیا۔ جس کی کوئی مثال دنیا میں موجود نہیں تھی۔[1]

غرض الزیات قرآن کریم کو دنیا کے لیے رحمت اور سکون کا ایک ذریعہ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا کی عافیت اور لوگوں کی طمانیت قلب کا سامان

۱؎ وحی الرسالہ ۴/۸۹۔

اسی کے پاس ہے۔ دوسرے مقالہ "ثورۃ فیھا النبوۃ" میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ دنیا میں آنے والے تمام انبیاء و رسل نے برائیوں کو ختم کرکے بھلائیوں کو عام کیا۔ آج بھی رسول کی اطاعت ہی سے دنیا میں سکون ممکن ہے۔ انبیاء علیہم السلام وحی الٰہی اور ہدایت ربانی کی تعلیم و تلقین کے لیے دنیا میں مبعوث کیے گئے تھے، انکا مقصد اصلاح و انقلاب تھا۔ انھوں نے حصول اقتدار، مادی اغراض اور دنیاوی فوائد کو اپنا مطمح نظر نہیں بنایا، خاتم المرسلین آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعٰلمین بنا کر مبعوث کیے گئے۔

الزیات نے اسوۂ رسول کو خیر و سلامتی اور فوز و فلاح کا ضامن بتایا ہے، وہ قرآن کریم اور احادیث رسول ؐ پر کامل یقین رکھتے تھے۔

اسلوب | الزیات کے معاشرتی، ادبی اور مذہبی مقالات ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور خود الرسالہ میں الزیات ہی کی کوششوں سے اکیس سال تک ہزاروں مقالات شایع ہوئے۔ الزیات اور الرسالہ اسکول کے عربی ادب پر گہرے اثرات مترتب ہوئے۔ زبان، مقالہ نگاری، قصیدہ گوئی، قصہ نویسی، مباحثہ، تنقید نگاری اور تراجم کے ارتقا میں الرسالہ کا غیر معمولی کارنامہ ہے۔[1] الزیات کے ان کارناموں کو دیکھتے ہوئے انور الجندی کی اس بات سے اتفاق ممکن نہیں کہ الزیات نے ادب میں کوئی نیا طریقہ ایجاد نہیں کیا۔[2] کیا یہ الزیات کا اہم کارنامہ نہیں کہ الرسالہ کا اجرا انھوں نے ایک ایسے وقت میں کیا جبکہ علمی دنیا

۱؎ المجمع العلمی بدمشق (اکتوبر ۱۹۶۸ء) ص ۶۷۹ ۲؎ الیقظۃ والتجدید فی النثر العربی ص ۶۶۴۔

کسی ادبی رسالہ سے محروم تھی۔

یہ بھی الزیات ہی کا کارنامہ ہے کہ انھوں نے الرسالہ کے ذریعہ ایک ایسے وقت میں عرب قومیت کی حمایت اور اسلام کا دفاع کیا جس وقت ہر طرف عرب قومیت اور اسلام کے خلاف شورش بپا تھی۔ انھوں نے عربی ادب اور مغربی ادب سے غور و خوض کے بعد کچھ لینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی۔ اس سے پہلے کے مجلات صرف مغربیت کے دلدادہ تھے۔ الزیات نے قدامت اور جدیدیت کے مابین ایک درمیانی راہ بنائی[1]

احمد حسن الزیات کی تحریروں میں جھول، ثقالت، ژولیدگی اور ابہام نہیں ہوتا وہ بات صاف ستھرے اور سلیس انداز میں کہنے کے عادی تھے۔ ان کے مقالات میں وقار، متانت اور سلاست موجود ہے۔ زبان میں وہ حلاوت ہے کہ قاری کو کہیں بار اور گرانی کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ سب چیزیں ایک ایسے مقالہ نگار کے یہاں ملیں گی جو حساس اور اختراعی ذہن کا مالک ہو۔ یہ چیز ریاضت واکتساب سے نہیں حاصل ہوتی۔ الزیات کی اختراعی صلاحیت کا اندازہ "سبیعک فی نفسک" سے کیا جا سکتا ہے۔

وہ الفاظ اور جملوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتے اور یہ بھی خیال رکھتے کہ الفاظ و جملوں کے درمیان بات گم نہ ہونے پائے، وہ ہر بات کو خوبصورتی سے پیش کرتے اور اسی کو اپنا مسلک بتاتے ہیں۔

الزیات کی تحریروں میں ایک خاص بات یہ ہے کہ جہاں ان کے یہاں غموض

---

[1] المحافظة والتجديد في النثر العربي ص ۶۶۷۔

نہیں ہے وہیں ان کی عبارتیں فکری تضاد سے بھی پاک ہیں۔ وہ اپنے موقف پر ہمیشہ ڈٹے رہے۔ کبھی ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ وہ ہمیشہ عرب قومیت، عربی زبان اور اسلام کی حمایت بانگ دہل کرتے رہے۔ اس کے متعلق انھوں نے بیشمار مقالات تحریر کیے۔ وہ یورپین تہذیب اور غیر ملکی زبان کو اہمیت نہیں دیتے تھے اسکے لیے معاصرین ادبا سے انکی معرکہ آرائی بھی رہی لیکن زندگی کی آخری سانس تک اپنے موقف کی وکالت کرتے رہے۔

الزیات اپنے مقالات میں اپنے نظریات کی تبلیغ وضاحت کے ساتھ کرتے رہے انھوں نے نظریاتی اعتبار سے خود کو فروخت نہیں کیا۔ مذہب پر قرآن و حدیث سے استدلال کرتے اور ادبی معاملات میں بھی قرآن و حدیث ہی کو معیار و محور قرار دیتے۔ وہ ایک آزاد صفت انسان تھے، انکے یہاں ضمیر فروشی غیر انسانی فعل ہے۔

الزیات کی تحریروں سے انکے نظریات پوری طرح عیاں ہیں اور انھوں نے ان تمام نظریات کو اچھے طریقے سے بیان کیا ہے۔ انور الجندی کا خیال ہے کہ الزیات کے یہاں بلیغ اسلوب، صاف ستھری عبارت، ہلکے پھلکے جملے، تنقیدی بصیرت اور اختراعی ذہن پایا جاتا ہے[1]

لطفی منفلوطی کا انداز تحریر الزیات کے اسلوب تحریر سے بہت قریب ہے منفلوطی کی "النظرات" اور "العبرات" کے پس منظر میں زیات کے مقالات کا مطالعہ کیا جائے تو دونوں کے سبک پن اور عبارت کی سلاست و روانی میں کافی یکسانیت نظر آئے گی[2] منفلوطی نے عربی ادب میں ایک نئے اسلوب کی بنیاد ڈالی اور انشا پردازی کا جو ایک نیا اسکول قائم کیا تھا۔ اس اسکول سے متاثر ہونے والوں میں رافعی، طٰہٰ حسین اور الزیات قابل ذکر ہیں[3]

---

[1] المحافظة والتجديد في النثر العربي ص ۶۶۴ [2] ایضاً ص ۱۸۸

[3] ایضاً ص ۱۸۸۔

علامہ اقبال کی چند پیشین گوئیاں

از

جناب انعام الحق عسلی، عثمان دان فودیو یونیورسٹی سکوٹو۔ نائجیریا۔

علامہ اقبال کو ہم سے رخصت ہوئے پچاس برس سے اوپر ہو چکے ہیں اور یہ نصف صدی "دگر دانائے راز" کی منتظر ہی رہی۔ اس مدت میں اقبال کے معتقدین اور ناقدین نے ان کی شخصیت اور کلام پر گراں قدر کام کیا اور انکے کلام کے کئی پوشیدہ گوشے نمایاں کیے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اتنے عرصہ بعد بھی ان کی فکر کی بلندی اور نظر کی گہرائی ہماری گرفت میں پوری طرح نہیں آسکی ہے مگر یہ ان کے قارئین کا عجز نہیں اقبال کا اعجاز ہے۔ دراصل اقبال کئی جہتوں کے شاعر تھے۔ گو قدرت نے ان کو فلسفی کا دماغ، صوفی کا دل، مورخ کی نظر اور شاعر کی زبان عطا کی تھی لیکن ان کی مملکت شعر پر ہمیشہ دل کی حکمرانی رہی اور اگرچہ وہ ایک مجذوب فرنگی کو خراج عقیدت بھی پیش کرتے ہیں اور ایک یہودی کے لیے 'نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب' بھی کہتے ہیں لیکن درحقیقت اسرار جاں انھوں نے رومی ہی سے پڑھے تھے

چوں بِرومیؔ در حرم دادم اذان من   از و آموختم اسرار جان من

اور یہی وجہ ہے کہ گو وہ اپنے علمی، ادبی اور فکری سفر میں کئی مراحل سے گذرے لیکن بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچے کہ ع اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

چراغ مصطفوی کی روشنی میں فکر و فراست کی جو گذرگاہ اقبال نے طے کی اور جنوں کی رہنمائی میں آگہی کی جس منزل پر وہ پہنچے وہاں سے انہیں وہ وادیاں بہت صاف نظر آرہی تھیں جہاں پر مستقبل میں عشق کے قافلۂ سخت جاں کو گذرنا تھا۔ انکی دوررس نگاہ میں آنے والا جہاں پوری طرح روشن تھا اور اسی لیے انھوں نے دعوت دی تھی۔

کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں   آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

حقیقت بھی یہی ہے کہ مستقبل کے متعلق اقبال نے جو کچھ کہا آج سچ بن کر سامنے ہے۔

بلاشبہ غیب کا علم اللہ اور صرف اللہ کو ہے۔ یہ اسی کا منصب ہے کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے ہر واقعہ اور ہر حرکت کا مکمل علم اسے ہو۔ لیکن کبھی کبھی اپنے فیصلے وہ پہلے سے بھی ظاہر کر دیتا ہے۔ سورۂ روم کی اولین آیات میں ایران کی شکست اور روم کی فتح کا فیصلہ سنا دیا جو دس سال کے عرصہ میں ظاہر ہو گیا۔ تَبَّتۡ یَدَآ اَبِیۡ لَهَبٍ اور اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ میں دشمنان اسلام کی پسپائی اور نامرادی کا فیصلہ کر دیا اور وہ پورا ہو کر رہا۔ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ کہہ کر آنحضورؐ کو مقام محمود کی خوشخبری دی جو یقیناً آپؐ کو مل گیا۔

اپنے علم غیب کا کچھ حصہ جب وہ اپنے پیغمبروں کو عطا فرماتا ہے تو وہ بھی آنے والے واقعات کی جانب اشارہ کر دیتے۔ جس کی سب سے بڑی اور روشن مثال 'نوید مسیحا' ہے۔ اس کے علاوہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی مستقبل کے بارے میں پیشین گوئی جو فوراً یا کچھ دیر بعد ظہور میں آئی۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت کی نوعیت کے بارے میں آپؐ کی واضح اور صریح پیشین گوئی تھی جو آپؐ کی وفات کے تقریباً چوتھائی صدی بعد پوری ہوئی۔ اسی چشمۂ فیض کے کچھ

جرعات اللہ کے برگزیدہ بندوں کے نصیب میں بھی آتے ہیں"۔ "ہنوز دلی دور است" کا
زبان سے نکلنا اسی علم کا فیضان ہے۔

پیشین گوئی کی ایک قسم ہوتی ہے جو مورخ کرتا ہے۔ مورخ سے مراد وہ تاریخ نگار
نہیں جو ماضی کی داستانیں قلمبند کرتا ہے بلکہ وہ بالغ نظر، دور اندیش اور صاحب بصیرت
مفکر ہے جو ماضی اور حال کے واقعات کو غیر جانبدار اور غیر جذباتی ہو کر دیکھتا ہے۔
ان کے اسباب و علل پر نظر رکھتا ہے اور منطقی طرز فکر سے ان کا تجزیہ کرتا ہے۔ یہی
صاحب بصیرت مفکر حال کے آئینے میں مستقبل کی دھندلی سی جھلک دیکھ کر اس سے
دنیا کو آگاہ کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ تنبیہات یا پیشین گوئیاں جزئی تفصیلات سے خالی
ہوتی ہیں لیکن آنے والے دنوں کے رجحانات کا پتہ یقیناً دیتی ہیں۔ اس کی ایک
مثال حضرت عمرؓ کی اس پیشین گوئی میں ملتی ہے جو انھوں نے حضرت عثمانؓ کی نرم
طبیعت و صلہ رحمی کی عادت اور دوسری جانب عربوں کی قبائلی عصبیت کو سامنے
رکھ کر ان کی شہادت کے بارے میں کی تھی یا جیسے کہ اس صدی کے شروع میں
علامہ شبلیؒ نے کہا تھا کہ

جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو شبلی اب کہاں جائیں — کہ اب امن و امان شام و نجد و قیرواں کب تک

بظاہر یہ شعر الہامی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ صرف ایک صاحب بصیرت مورخ کی نظر تھی جس نے
ستر اسی سال بعد آنے والے واقعات یا رجحانات کی نشاندہی کی تھی۔

اقبال پیغمبر تھے نہ ولی۔ ان کا تمام علم اکتسابی تھا۔ لیکن ان کے تاریخی شعور،
فراست اور دور رس نگاہ نے باطن ایام ان پر روشن کر رکھا تھا۔ تاریخ کے
عمل پر ان کی دور بینی نے ان سے کچھ ایسے اشعار کہلوائے جو اگر حالات حاضرہ کی

روشنی میں دیکھے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہی واقعات کی خبر دے رہے تھے۔ ذیل کی
سطور میں ایسی ہی چند پیشین گوئیوں کا جائزہ لینا مقصود ہے۔

اشتراکیت

اقبال کے آخری دور کی مشہور نظم ہے "ابلیس کی مجلس شوریٰ"۔ ابلیس اپنے
مریدوں سے کہتا ہے

جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے — مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے

پھر مزید کہتا ہے

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف — آشکارا ہو نہ جائے شرع پیغمبر کہیں
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں — ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

یہ واضح رہے کہ یہ اشعار اس دور کے ہیں جب تمام عالم اسلام پر ایک مایوسی کا
عالم طاری تھا۔ خلافت کے خاتمہ کو چند سال ہی گذرے تھے اور کوئی ایسی تحریک
عروج پر نہیں تھی جو امت مسلمہ کی شناخت بن سکتی۔ خاکستر اسلام میں چنگاریاں ضرور
تھیں لیکن پھر بھی جس صورت حال نے حالیؔ سے مسدس لکھوائی تھی کم و بیش وہی صورت حال
اب بھی تھی۔ نمرود کی آگ ہر جگہ اولاد ابراہیم کی منتظر تھی۔

اس کے برعکس یہ زمانہ کمیونزم یا اشتراکیت کے عروج کا زمانہ تھا۔ پہلی جنگ عظیم
کے بعد اشتراکیت ایک فعال نظریۂ حیات کی صورت میں سامنے آئی تھی اور نہ صرف
روس نے اس کو قبول کر لیا تھا بلکہ اُس وقت اس کے ہاتھوں ایشیا کا خرقۂ دیرینہ
بھی چاک ہو رہا تھا۔ برصغیر میں اکثر تعلیم یافتہ مسلمان اپنے کو اشتراکی کہنا فخر سمجھتے تھے
مارکس اور لینن کے حوالے سے بات کرنا دانشوروں کا فیشن تھا۔ خود مسلمان شعراء
اور ادیبوں کا ایک بڑا طبقہ اس نظریہ سے متاثر ہی نہیں بلکہ اس کا زبردست حامی

تھا اور بالآخر اپنے گروہ کو 'ترقی پسند تحریک' کا نام دے کر اشتراکی نظریہ کی تبلیغ کو اپنا مسلک اور شعار بنا لیا تھا۔ بظاہر یہ محسوس ہوتا تھا کہ اشتراکیت کا سیلاب سب کچھ بہالے جائے گا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد حالات اور ابتر ہوگئے۔ روس مزید طاقتور اور اشتراکیت مزید فعال ہوگئی۔ سوائے تحریک پاکستان کے اس زمانے میں کوئی اور تحریک اسلام کے نام پر مبنی نظر نہیں آتی۔ خود یہ تحریک بھی ہندوستان کے 'رندان قدح خوار' کی مستی تھی۔ بلاد عرب کا حلقہ زہاد تو ابھی تک 'مزاج خانقہی' سے ہی آشنا تھا۔

ایک ایسی صورت حال میں ...... ابلیس کے مشیر کار اس کو اشتراکیت کے خطرہ کی جانب توجہ دلاتے ہیں۔ مارکس کی تعلیمات کے نتائج سے آگاہ کرتے ہیں لیکن خود ابلیس کسی اور خیال میں ہے اسے علم ہے کہ جن نظریات کی بنیاد محض مادی آسودگی پر ہو وہ دنیا کو کہاں تک اور کب تک امن و سکون دے سکیں گے۔ اسی لیے وہ اپنے رفقاء کو اصل خطرہ سے آگاہ کرتے ہوئے کہتا ہے

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ مو

اور

مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے
جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے

اقبال کے ان دونوں اشعار کی روشنی میں پچھلی دہائی کے واقعات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے گویا ہر آنے والے واقعہ کا عکس ان کے آئینۂ ادراک میں موجود تھا۔ ایران کے انقلاب سے موجودہ عرب اور خلیج کی سیاسی صورتحال تک جس رفتار سے امت مسلمہ میں بیداری آئی ہے اور جس تیزی سے عالمی اخوت کا جذبہ مسلمانوں میں ابھرا کم سے کم

اس کا تصور اقبال کے زمانے میں تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جس امت کے دین کی حقیقت کائنات کا احتساب ہو ابلیس کا اس کو فتنۂ فردا کہنا بے جا نہ تھا۔

دوسری جانب اشتراکیت ایک ایسی رقاصہ ثابت ہوئی جو اپنی دلکشی بھی کھو چکی ہو اور افادیت بھی۔ نئے چاہنے والوں کا تو سوال ہی کیا پرانے عشاق نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ مشرقی یورپ کے حالیہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ نظریہ جمہوریت کے دو تین تھپیڑوں کو بھی نہ سہہ سکا اور ریت کی دیوار کی طرح بیٹھ گیا۔

فلسطین | فلسطین میں اسرائیل کی ریاست کا قیام وہ نیم کش ہے جو ابھی مسلمانوں کے جگر کے پار نہیں ہوا ہے۔ اس کا وجود کئی مسلم ممالک کی نااہلی اور کسی حد تک دینی بے حمیتی کی داستان بھی ہے۔ اگرچہ اسرائیل کا وجود اقبال کی موت کے دس سال بعد عمل میں آیا لیکن سیاسی افق پر جو بادل منڈلا رہے تھے اور صیہونیت کی عالمی تنظیم کی کوششیں جس انداز سے جاری تھیں اقبال ان سے ناواقف نہیں تھے۔ انھوں نے خبردار کر دیا کہ

رندان فرانسیس کا مے خانہ سلامت
پُر ہے مے گلرنگ سے ہر شیشہ حلب کا

ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا

مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں نارنج کا یا شہد و رطب کا

ابھی دوسری جنگ عظیم نہیں ہوئی تھی نہ ہی جرمنی کے یہودی نازیوں کا نشانہ بنے تھے، اسرائیل کے قیام کو ابھی کئی سال باقی تھے لیکن اقبال نے فلسطینیوں سے کہا کہ

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے

تری دوا نہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں
فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے

سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذت نمود میں ہے

اسرائیل کے قیام کو چالیس سال سے اوپر ہو گئے اس درمیان میں ہر روز کسی نہ کسی فلسطینی نے عروس وطن کو لہو کا نذرانہ پیش کیا ہے ۶۷ء کی جنگ کے بعد سے انتفاضہ ایک جس خون کے دریا سے فلسطینی گذرا ہے اس کا دوسرا کنارہ ابھی نہیں آیا یہ سب کیا ہے۔ فقط خودی کی پرورش اور لذت نمود اور کچھ بعید نہیں کہ کل اسکے صلہ میں دنیا اس سے پوچھے کہ بتا تیری رضا کیا ہے! افراد کی زندگی میں جو نشیب و فراز چند برسوں میں وقوع پذیر ہوئے ہیں قوموں کو انہی کے لیے ایک صدی درکار ہوتی ہے۔

لیگ آف نیشنز | اقبال کی ایک اور پیشنگوئی لیگ آف نیشنز کے متعلق تھی۔ لیگ آف نیشنز کا خاتمہ دوسری جنگ عظیم کے بعد ۴۵ء میں ہوا یعنی اقبال کی موت کے سات سال بعد۔ لیکن انہیں پورا یقین تھا کہ یہ غیر موثر اور بڑی طاقتوں کی آلہ کار تنظیم زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے گی۔ ان کے خیال میں یہ کفن چوروں کی ایک جماعت تھی جس کا اصل کام آپس میں قبروں کی تقسیم تھا۔ اسی لیے انھوں نے کہا کہ

بے چاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خبر بد نہ مرے منہ سے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن
پیران کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ یہ داشتۂ پیرک افرنگ
ابلیس کے تعویذ سے کچھ اور سنبھل جائے

مگر ابلیس کا تعویذ بھی اس داشتۂ پیرک افرنگ کو چند سال سے زیادہ زندہ نہ رکھ سکا۔

متفرقات | اس کے علاوہ اقبال کے کچھ اشعار ایسے بھی ہیں جو ہو سکتا ہے ان کے زمانے میں کسی اہمیت کے حامل نہ ہوں لیکن موجودہ حالات کی روشنی میں الہامی نظر آتے ہیں:

پچھلی دہائی میں افغانستان پر روس کے حملے اور اشتراکی حکومت کے باعث لاکھوں افغانوں کا ترک وطن کر کے جہاد کا اعلان کرنا ان کی اسلامی حمیت کی آئینہ دار ہے۔ اقبال ان اسلامیوں کے سوز و ساز سے ناواقف نہیں تھے۔ انکی ایک نظم میں ابلیس صاف صاف اپنے مریدوں سے کہتا ہے کہ

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

اور ابلیس کے مریدوں نے اپنے پیر و مرشد کو مایوس نہیں کیا۔

ایران کا انقلاب اس صدی کی مسلم تاریخ کا ایک اہم سنگ میل ہے۔ اسی کے اسباب و عواقب سے قطع نظر یہ بات مسلم ہے کہ جتنا اس تحریک نے مغربی دنیا کو اسلام اور مسلمانوں سے روشناس کرایا شاید اتنے کم عرصے میں کسی اور تحریک نے یہ کام نہیں کیا۔ عام طور سے ایک عام امریکن یا یورپین کا مسلمان کے بارے میں بس اتنا ہی علم تھا کہ یہ لوگ چار شادیاں کرتے ہیں اور غالباً شراب نہیں پیتے۔ بس۔ ایران کے اسلامی انقلاب نے ہی انہیں یہ خبر دی کہ یہ قوم احتساب بھی کر سکتی ہے۔ خدا معلوم اقبال نے کس عالم میں کہہ دیا تھا کہ

طہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

یہاں طہران ایک علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا بعض شعرا الہامی ہوتے ہیں۔

ایک حالیہ حادثہ سرزمین عرب پر امریکی بلکہ صحیح الفاظ میں غیر مسلم افواج کی آمد ہے جو وہاں کی حکومت کی دعوت پر اسکی حفاظت کے لیے آئی ہے۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کوئی مورخ یا مفکر مستقبل کی جزئی تفصیلات نہیں بتا سکتا اسی طرح اقبال کو بھی بلا شبہ یہ علم نہیں تھا کہ حالات بعینہٖ اس طرح پیش آئیں گے لیکن آئندہ رجحان کا اندازہ ہوتا ہے،

خودی کی موت سے پیر حرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھائے مسلماں کا جامۂ احرام
حرم کے پاس کوئی اعجمی ہے زمزمہ سنج
کہ تار تار ہوئے جامہ ہائے احرامی

وفیات

آہ! مولانا عبدالمجید ندوی

از ضیاء الدین اصلاحی

افسوس ہے کہ ۲۳ مئی کو مولانا عبدالمجید ندوی صدر مدرس مدرستہ الاصلاح سرائے میر ایک حادثہ میں جاں بحق ہوگئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

وہ ایک تقریب میں شرکت کے لیے جا رہے تھے، رانی کی سرائے میں کوئی بچہ ان کی گاڑی کی زد میں آگیا، مگر ڈرائیور کی ہوشیاری سے وہ بالکل بچ گیا اور اسے کوئی چوٹ نہیں آئی، اس کے باوجود بعض شرپسند لوگوں نے پتھراؤ کیا۔ جس سے مولانا کے دماغ پر ضرب شدید آگئی اور اعظم گڈھ اسپتال میں انھوں نے دم توڑ دیا۔

مدرستہ الاصلاح میں متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ ندوۃ العلما لکھنؤ میں داخل ہوئے، فراغت کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے بی اے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ اے کیا، پھر بی۔ ایڈ کے لیے شبلی کالج اعظم گڈھ میں داخلہ لیا۔ ندوہ کی آخری جماعت میں تفسیر کا درس مولانا عبدالباری ندوی فلسفی سے لیا، جن کی تعلیم و تربیت کا خاص اثر ان پر پڑا، وہ کئی برس تک ان کے ساتھ ہی

ان کے مکان میں رہے، اس سے ان کو بڑا علمی و دینی فائدہ پہنچا مگر باقاعدہ بیعت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ سے ہوئے۔

اعظم گڈھ میں وہ میرے ساتھ رہتے تھے، ان کے دینی ذوق و رجحان، مذہبی حمیت، شعائر دین اور ارکان اسلام کے احترام خصوصاً نماز کی پابندی اور اہتمام کی بنا پر مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی ان کی بڑی قدر کرتے تھے اور شاہ صاحب نے دارالمصنفین میں لائبریرین کی حیثیت سے ان کا تقرر بھی کیا مگر وہ اپنے بعض مشاغل کی وجہ سے یہاں زیادہ دنوں تک قیام نہیں کرسکے۔ اس کے بعد مختلف وقتوں میں مدرستہ الاصلاح، جامعۃ الرشاد اور شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے اور ادھر چند برس سے وہ مدرستہ الاصلاح کے مہتمم تھے۔ ان میں لکھنے پڑھنے کی اچھی صلاحیت تھی مگر اس کے لیے جس یکسوئی اور دلجمعی کی ضرورت ہے وہ انہیں میسر نہیں ہوسکی۔

ان میں اچھی انتظامی صلاحیت بھی تھی اور وہ ہر کام کو بڑے سلیقہ اور پوری ذمہ داری سے انجام دیتے تھے، نظم و نسق کے معاملہ میں کسی کے ساتھ بھی رورعایت نہ کرتے اپنے اعزہ کو بھی کوتاہی کرنے پر معاف نہیں کرتے تھے، اسکی وجہ سے بعض لوگ انکے شاکی رہتے تھے مگر وہ کبھی کسی کی شکایت اور ناراضگی کی پروا نہ کرتے اپنی سخت گیری، ایمانداری، اصول پسندی، ہر ایک کے ساتھ یکساں برتاؤ اور انتظامی لیاقت کی بنا پر ادارہ کے منتظمین اور ذمہ داروں میں بہت مقبول تھے، ان کی صحت بہتر نہیں تھی۔ مگر ابھی پچاس برس سے زیادہ عمر نہیں رہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے آمین۔

ادبیات

غزل

از جناب وارث ریاضی صاحب مغربی چمپارن بہار

گریۂ شبنم، گلوں کی چاک دامانی کی بات / کس نے سمجھا نکہتِ گل کی پریشانی کی بات

ذکرِ تاجِ خسروی، تختِ سلیمانی کی بات / اب تو چرواہے بھی کرتے ہیں جہاں بانی کی بات

جب سے بدلا ہے زمانے کا نظامِ اقتدار / راہزن کرتے ہیں منزل کی نگہبانی کی بات

خوگرِ جور و جفا میں ہوں مگر انکے لیے / بارِ رنج و غم اٹھانا ہے پریشانی کی بات

محفلِ زاغ و زغن میں نغمۂ دلکش عبث / ان کی بزمِ ناز میں ایثار و قربانی کی بات

شکوۂ جور و جفا بے سود ہے ان کے حضور / ذکرِ اخلاص و وفا ہے جہل و نادانی کی بات

آستینوں میں لیے پھرتے ہیں جو خنجر مدام / وہ بھی کرتے ہیں فلاحِ نوعِ انسانی کی بات

ہے زبانِ برہمن مصروفِ وردِ لا الہ / شیخ کے لب پر ہے زنارِ سلیمانی کی بات

علم سے ناآشنا ہوں، عقل سے ہوں بے خبر / میں نہیں کرتا کسی صورت ہمہ دانی کی بات

عنصری و فرخی، بوالفضل و فیضی کی طرح / میں نے کب کی ہے امیروں کی ثناخوانی کی بات

باعثِ تسکیں ہے وارث! ہر گھڑی میرے لیے
مدحتِ خیر البشرؐ، محبوبِ ربانی کی بات

مطبوعات جدیدہ

موضوعات قرآن اور انسانی زندگی — مرتبہ جناب خواجہ عبد الوحید صاحب مرحوم، تقطیع کلاں، کاغذ عمدہ، طباعت ٹائپ، صفحات ۴۶۶، قیمت درج نہیں

پتہ: ادارۂ تحقیقات اسلامی، پوسٹ باکس نمبر ۱۰۳۵ اسلام آباد، پاکستان۔

خواجہ عبد الوحید مرحوم اعلیٰ سرکاری عہدہ پر فائز ہونے کے باوجود اردو اور انگریزی کے اچھے اہل قلم تھے، ان کو قرآنی علوم سے بھی مناسبت تھی اور انھوں نے مشہور مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوری مرحوم سے تفسیر اور قرآنیات کا باقاعدہ درس بھی لیا تھا۔ زیر نظر کتاب ان کے تفسیری و قرآنی ذوق کا ثبوت ہے، اس میں انھوں نے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور شعبوں سے متعلق قرآنی آیات کا معنی خیز ترجمہ کیا ہے، یہ کتاب مندرجہ ذیل سات ابواب پر مشتمل ہے جن سے اسکی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ زندگی کا انفرادی پہلو، زندگی کا عائلی پہلو، معاشرتی زندگی، زندگی کا قومی اور بین الاقوامی پہلو، زندگی کا ثقافتی پہلو، زندگی کا معاشی پہلو، زوال و بربادی اقوام کے اسباب، ہر باب کے اندر مختلف فصلیں ہیں، جن کے تحت قرآنی تعلیمات بیان کی گئی ہیں، اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کی ہدایت و رہنمائی کا مکمل سامان موجود ہے، یہ مفید کتاب خصوصیت سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہے۔

قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین

مرتبہ پروفیسر حکیم سید ظل الرحمن، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۴۷۸ مجلد مع گرد پوش، قیمت پچاس روپے، پتہ: پبلی کیشن ڈویژن، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

فلسفہ و طب میں شیخ ابن سینا کے کمالات و کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔ اس کی سب سے اہم یادگار اور شہرۂ آفاق تصنیف القانون ہے، جو شیخ کے دور سے اب تک کے طبیبوں کی تحقیق و دلچسپی کا خاص موضوع رہی ہے، ہر دور کے طبیبوں نے اس کے ساتھ بڑا اعتنا کیا ہے، اس کی متعدد شرحیں اور حواشی ہر زمانے اور ہر دور میں لکھے جاتے رہے ہیں۔ حکیم سید ظل الرحمن صدر شعبۂ علم الادویہ اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ان گنتی کے لوگوں میں ہیں جن کے دم سے اب بھی طب یونانی کا چراغ مخالف ہواؤں میں روشن ہے، وہ ایک ذی علم اور صاحب ذوق شخص ہیں جو درس و تدریس کی مشغولیتوں اور اپنے شعبہ کی گوناگوں ذمہ داریوں کے باوجود تصنیف و تالیف میں بھی منہمک رہتے ہیں، اس کتاب میں انھوں نے تحقیق و محنت اور تلاش و جستجو سے قانون پر ہونے والے کاموں کا جائزہ لیا ہے، اس سلسلہ میں عربی، فارسی، ترکی، اردو، پنجابی، لاطینی، عبرانی، انگریزی اور ازبکستانی زبانوں میں قانون کی جو شرحیں اور حواشی لکھے گئے ہیں یا اس کا جو ترجمہ و اختصار ہوا ہے انکے اور انکے مصنفین کے بارے میں مختصر معلومات فراہم کیے گئے ہیں، اس سے جہاں ابن سینا کی کتاب کی غیر معمولی اور بے مثال مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہاں خود لائق مصنف کی دیدہ ریزی اور ابن سینا

سے شغف کا پتہ چلتا ہے، فن طب اور ابن سینا سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے۔

حیات کرم حسین

مرتبہ حکیم سید ظل الرحمن صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۲۵۲ مجلد مع گرد پوش، قیمت ۵۰ روپیے، تجارہ ہاؤس، دودھ پور علی گڑھ۔

راجستھان میں میوات سے متصل تجارہ مسلمان شرفا و رؤسا کی ایک نامور بستی تھی جو عرصہ تک اسلامی تہذیب و ثقافت کا گہوارہ اور اہل علم و ادب اور اصحاب رشد و ہدایت کا مرکز تھی، یہاں کے ذاتی کتب خانے بیش قیمت کتابوں، اہم مخطوطات اور علمی نوادر کا مخزن تھے، اس کے پرشکوہ محل اور عظیم الشان حویلیوں سے بھی اسکے مکینوں کی ثروت و امارت کا پتہ چلتا تھا، مگر ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں یہ گہوارہ علم و ثقافت ویران و تباہ اور مسلمانوں کے وجود سے یکسر خالی ہوگیا، کچھ لوگوں نے پاکستان کی راہ لی اور کچھ بھوپال میں متوطن ہوئے جہاں اس خانوادے کے بعض حضرات پہلے سے آباد تھے، حکیم سید کرم حسین بھی ۱۹۴۷ء میں تجارہ چھوڑ کر بھوپال منتقل ہوئے تھے، انہی کے پوتے حکیم پروفیسر سید ظل الرحمن صدر شعبہ علم الادویہ اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہیں جن کو علم و فن، تصنیف و تالیف اور طبابت کا ذوق اپنے ممتاز خاندان سے وراثۃً ملا ہے، اس کتاب میں انھوں نے اپنے جد امجد کے حالات و واقعات زندگی قلمبند کیے ہیں، پہلے ہندوستان میں اس خاندان کی آمد و اقامت کا ذکر کیا ہے جس کے ضمن میں اس کے بعض مشاہیر کا تذکرہ بھی کیا ہے، پھر صاحب ترجمہ کی ولادت، تعلیم، طب کی تحصیل، طبی سرگرمیوں،

روزمرہ زندگی کے معمولات، علمی وادبی ذوق، تصنیفات، مذہبی شغف، قومی وملی خدمات، بھوپال میں سکونت، علالت و وفات اور پس ماندگان وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس کتاب میں تجارہ اور اس کے گرد و نواح کی مختصر تاریخ اور تہذیبی و معاشرتی حالات بھی بیان کیے گئے ہیں، تجارہ اور اس کے اس خانوادہ کی یہ سرگزشت عبرت سے خالی نہیں۔ صفحات ص۳۳ تا ۴۸ مکرر ہو گئے ہیں اور صفحات ۸۱ تا ۸۸ شامل نہیں ہیں۔

محمد علی جوہر مرتبہ جناب حمیدہ ریاض صاحبہ، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۳۶۸، مجلد مع گرد پوش، قیمت ۵۰ روپیے، پتہ: ڈاکٹر حمیدہ ریاض۔ ۱۰ اسٹارکی ٹاؤن، ناگپور ۴۴۰۰۰۱ مہاراشٹر۔

مولانا محمد علی جوہر گوناگوں اور متضاد اوصاف و کمالات کا مجموعہ تھے، وہ ادیب وشاعر، انگریزی اور اردو کے ممتاز انشاپرداز، مومنانہ و مجاہدانہ خصوصیات کے مالک، جری، نڈر، بے باک، مذہبی جوش وحمیت سے سرشار اور قوم وملت کے عظیم رہنما تھے، حمیدہ ریاض صاحبہ کو مولانا کی ذات سے خاص تعلق اور انس رہا ہے، اس لیے انھوں نے اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے ان کو موضوع بنایا جو چھ ابواب پر مشتمل ہے، ان میں مولانا کے حالات و کمالات اور سیرت و شخصیت کے خط وخال نمایاں کیے گئے ہیں، پہلے باب میں مولانا کے عہد و ماحول کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے جو ۱۸۵۷ء سے بیسویں صدی کے اوائل تک کے قومی وسیاسی حالات و واقعات کا مرقع ہے، دوسرا باب مولانا کی زندگی کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے، تیسرے باب میں ان کی سیرت واخلاق، دینداری، مذہبی پختگی، قومی جد وجہد،

سیاسی سرگرمی اور قومی رہنماؤں سے تعلقات زیر بحث آئے ہیں، چوتھا باب صحافتی خدمات کا مرقع ہے، پانچویں باب میں مولانا کی نثر نگاری اور چھٹے میں شاعری پر بحث وتبصرہ کیا گیا ہے، اس کتاب کی ترتیب و تبویب اور بہتر انداز سے کرنے اور مواد کو سمیٹ کر لکھنے کی ضرورت تھی، تاہم مصنفہ کی محنت تحسین و ستائش کی مستحق ہے۔

دبستان شبلیؒ کے نامور انشاپرداز مرتبہ جناب اشر انصاری صاحب، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۲۴۴ مجلد مع گرد پوش، قیمت ۱۱ روپیے ڈیلکس ایڈیشن ۲۵ روپیے پتہ: نکھار پبلی کیشنز، مئوناتھ بھنجن۔ یو۔ پی۔

علامہ شبلیؒ جامع کمالات تھے، ان کی سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت ان کی انشاپردازی ہے جس کو تسلیم کرنے میں کسی کو تامل نہیں ہوا ہے، ان کی یہ وراثت ان کے لائق تلامذہ اور انکی یادگار دارالمصنفین سے وابستہ رفقاء مصنفین کے حصہ میں بھی آئی، زیر نظر کتاب میں علامہ شبلیؒ کے علاوہ ان کے دبستان کے ان ممتاز مصنفین اور نامور انشاپردازوں کے حالات اور کارناموں پر بحث و گفتگو کی گئی ہے، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبدالسلام ندویؒ، پروفیسر نجیب اشرف ندوی، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی اور صباح الدین عبدالرحمن مرحوم۔ لائق مصنف نے ان سب کے مختصر حالات تحریر کرنے کے بعد ان کے تصنیفی وتحریری کاموں کا مختصر جائزہ لیا ہے اور بعض اہم کتابوں کے مشمولات نقل کر کے ان کی قدر وقیمت دکھائی ہے، شروع میں دارالمصنفین کی تاسیس کا ذکر اور انشاپردازی کی خصوصیات نیز فصاحت وبلاغت کی تعریف وتشریح کی ہے،

جناب اثر نظم و نثر دونوں میں اپنا جوہر دکھاتے رہے ہیں اور وہ پختہ مشق شاعر ہونے کے علاوہ نثر نگاری کا بھی اچھا سلیقہ رکھتے ہیں۔ انہیں علامہ شبلیؒ اور دار المصنفین سے مخلصانہ تعلق ہے اس لیے ان کی یہ کتاب دو آتشہ بن گئی ہے۔

عالم عربی کے لیے سب سے بڑا خطرہ
امت اسلامیہ کا مستقبل خلیجی جنگ کے بعد } از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، تقطیع متوسط

کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات بالترتیب ۳۲ و ۲۴، قیمت درج نہیں، پتہ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ باکس ۱۱۹، لکھنؤ۔

ہندوستان میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی سے زیادہ کسی کو عربوں کے گذشتہ اور موجودہ حالات و رجحانات سے واقفیت نہیں ہے، پہلے رسالہ میں مولانا نے عرب قومیت کو عربوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ بتایا ہے جس کو صلیبی عیسائی اور صہیونی یہودی برابر ہوا دے رہے ہیں۔ حال میں ہونے والی خلیجی جنگ اسی سازش کا نتیجہ ہے، جس میں عربی قومیت کے علمبرداروں اور البعث العربی کے قائدین نے کویت، کمزور عربوں کو اپنا نشانہ بنایا تھا، مولانا کا یہ رسالہ عربی میں بھی چھپا ہے، دوسرا رسالہ قاہرہ میں ہونے والی ایک کانفرنس کے لیے عربی میں لکھا گیا تھا جس کا مولانا عبد النور ندوی نے سلیس اردو ترجمہ کیا ہے، اس میں خلیج کی جنگ کے اسباب و نتائج اور نقصانات کی نشاندہی کرکے بعض بنیادی اصول اور اہم حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ تاکہ آئندہ پیش آنے والی اس طرح کی صورت حال کا مقابلہ اور خطرہ کا سدباب

کیا جا سکے، یہ دونوں رسالے مولانا کے دردمند دل سے نکلنے والی وہ آہ سوزناک ہے جو دوسروں کے قلب و روح کو بھی گرما اور تڑپا دیتی ہے۔

حیات احمد مرتبہ مولانا عثمان احمد قاسمی، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۱۰۶، قیمت ۱۰ روپیے، پتہ: مدرسہ بدر الاسلام شاہ گنج، جونپور۔

مولانا احمد صاحب مرحوم کی زندگی مدرسہ بدر الاسلام شاہ گنج کی خدمت و ترقی کے لیے وقف رہی جس کو ان کے بزرگوں نے قائم کیا تھا اور جو اس علاقہ کا مشہور دینی مدرسہ ہے، مولانا عرصہ سے اس کے مہتمم تھے اور انھوں نے اپنے دور میں اس کو بڑی ترقی و وسعت دی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے چھوٹے بھائی مولانا عثمان احمد صاحب نے ان کے فضل و کمال اور ان کی عملی اور سبق آموز زندگی کا یہ مرقع شایع کیا ہے جس سے ان کی عظمت، عزت، مقبولیت، خدمت، علمی و خاندانی وجاہت، دینداری اور نیک نفسی کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔

شعور و ادراک از جناب محمد ایوب واقف صاحب، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۶۶، قیمت ۸۰ روپیے، پتے: (۱) مکتبہ جامعہ۔ دہلی، بمبئی، علی گڑھ (۲) دانش محل، لکھنؤ۔

یہ جناب ایوب واقف کے تیرہ ادبی، تنقیدی اور تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے۔ ایک رپورتاژ اور دو خاکے ہیں، بعض میں ادیبوں اور شاعروں سے اپنی ملاقات کی روداد بیان کی ہے، اردو کا ایک نایاب مرثیہ اور اندراوت اور اس کا مصنف میں مرثیہ نگار سید قادر میاں خوشتر احمد آبادی اور اندراوت کے مصنف نور محمد شاہ کامیاب جونپوری کے حالات تحقیق و جستجو

لکھے ہیں لیکن مرثیہ اور اندراوت پر تبصرہ سیر حاصل نہیں ہے، پاروایک منظوم افسانہ ہیں جناب علی جواد زیدی کی ایک مثنوی کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔ ایک مضمون میں اردو کے مشہور قدیم ادبی رسالہ "زمانہ" اور اس کے لائق مدیر منشی دیا نرائن نگم کا ذکر خیر اور اس کے مستقل عنوان "رفتار زمانہ" کے مشمولات کا جائزہ لیا ہے، محمد قلی قطب شاہ اور جوش ملیح آبادی کی شاعری پر اچھی بحث کی گئی ہے لیکن جوش صاحب کے کلام پر تبصرہ میں توازن نہیں قائم رکھا جاسکا ہے اس کے محاسن کا کم اور معائب کا ذکر زیادہ ہے، ہندی، ہندوستانی اور اردو اور اس کے رسم الخط کے بارے میں مصنف کے خیالات سلجھے ہوئے ہیں، ایک مضمون قرۃ العین حیدر کے خدماتِ ادب پر تبصرہ کیلیے مخصوص ہے، اختر الایمان سے دو ملاقاتوں کا حال بیان کرتے ہوئے انکے فن پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔ "سیتا محل سے اندس کورٹ تک" میں اپنے محبوب جگن ناتھ آزاد کے ساتھ بمبئی کی ایک سیر کا حال تحریر کیا ہے جس میں مختلف ادیبوں اور شاعروں کے متعلق بعض عجیب اور دلچسپ انکشاف و اظہار ہے آزاد کے علاوہ واقف کی شیفتگی کا ایک مرکز دارالمصنفین بھی ہے، اس کا اور اس کے ارباب علم و قلم کا ذکر جابجا کیا ہے، خاکہ نگاری اور شخصیت کی مرقع کشی سے واقف صاحب کو خاص دلچسپی ہے، جناب سید صباح الدین عبدالرحمن پر مضمون لکھکر انھوں نے ان سے اپنی محبت و عقیدت کا حق ادا کر دیا ہے، خواجہ احمد عباس پر بھی ان کا مقالہ اچھا ہے، ہر مضمون دلچسپ، شعر و ادب کے مفید نکتوں اور ادیبوں اور شاعروں کے بارے میں معلومات پر مشتمل ہے، دیباچہ بھی اہم ہے اس میں ترقی پسند ادب اور جدیدیت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ قابل غور ہے، نامساعد حالات میں بھی علم و ادب کی خدمت میں منہمک رہنے پر مصنف ستایش کے مستحق ہیں، ان کے قلم میں پختگی بھی آگئی ہے ص۲۴ پر درج رباعی کو خواجہ معین الدین چشتی کی بتانا فاش غلطی ہے، بعض لفظوں کا املا غلط دیا گیا ہے جیسے کھیسے (ص۲۹)، حراساں (ص۳۶) جنت عرضی (ص۶۲)، اسی طرح بالاستیعاب کو کئی جگہ بالاستعیاب لکھا ہے۔

"ض"

تصنیفات مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

- سیرۃ النبی جلد سوم۔ معجزہ کے امکان و وقوع پر علم کلام اور قرآن مجید کی روشنی میں مفصل بحث۔
- سیرۃ النبی جلد چہارم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ فرائض۔
- سیرۃ النبی جلد پنجم۔ فرائض خمسہ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد پر سیر حاصل بحث۔
- سیرۃ النبی جلد ششم۔ اسلامی تعلیمات، فضائل و رذائل اور اسلامی آداب کی تفصیل۔
- سیرۃ النبی جلد ہفتم۔ معاملات پر مشتمل متفرق مضامین و مباحث کا مجموعہ۔
- رحمت عالم۔ مدرسوں اور اسکولوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کیلئے سیرت پر ایک مختصر اور جامع رسالہ۔
- خطبات مدراس۔ سیرت پر آٹھ خطبات کا مجموعہ جو مسلمانان مدراس کے سامنے دیے گئے تھے۔
- سیرت عائشہؓ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات و مناقب و فضائل۔
- حیات شبلیؒ۔ مولانا شبلیؒ کی بہت مفصل اور جامع سوانح عمری۔
- ارض القرآن ج ۱۔ قرآن میں جن عرب اقوام و قبائل کا ذکر ہے ان کی عصری اور تاریخی تحقیق۔
- ارض القرآن ج ۲۔ بنو ابراہیم کی تاریخ قبل از اسلام، عربوں کی تجارت اور مذاہب کا بیان۔
- خیام۔ خیام کے سوانح و حالات اور اس کے فلسفیانہ رسائل کا تعارف۔
- عربوں کی جہازرانی۔ بمبئی کے خطبات کا مجموعہ۔
- عرب و ہند کے تعلقات۔ ہندوستانی اکیڈمی کے تاریخی خطبات (طبع دوم عکسی)
- نقوش سلیمانی۔ سید صاحب کے منتخب مضامین کا مجموعہ جن کا انتخاب خود موصوف نے کیا تھا (طبع دوم عکسی)
- یاد رفتگان۔ ہر شعبۂ زندگی کے مشاہیر کے انتقال پر سید صاحبؒ کے تاثرات
- مقالات سلیمان (۱) ہندوستان کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر مضامین کا مجموعہ۔
- مقالات سلیمان (۲) تحقیقی اور علمی مضامین کا مجموعہ۔
- مقالات سلیمان (۳) مذہبی و قرآنی مضامین کا مجموعہ (بقیہ جلدیں زیر ترتیب ہیں)
- برید فرنگ۔ سید صاحبؒ کے یورپ کے خطوط کا مجموعہ۔
- دروس الادب حصہ اول و دوم۔ جو عربی کے ابتدائی طالب علموں کے لیے مرتب کیے گئے

"منیجر"